اپریل ۱۹۹۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- امریکہ میں مسلم فنڈامنٹلزم کا فروغ!
- توحید ——— اسلامی انقلاب کی فکری اساس

امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

احباب نوٹ فرمالیں

اس بار مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام

سالانہ محاضراتِ قرآنی

اِن شاء اللہ العزیز، ۲۳ تا ۲۷ اپریل، قرآن آڈیٹوریم

۱۹۱۔ اے، اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن میں منعقد ہوں گے

ان محاضرات میں

منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ

کے موضوع پر

امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے پانچ خطابات ہوں گے۔ ہر خطاب کے بعد

محترم ڈاکٹر صاحب اہلِ علم و دانش حضرات پر مشتمل ایک پینل کے سوالات

کے جوابات دیں گے۔

شرکت کی عام دعوت ہے

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اُوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد:	۴۰
شمارہ:	۴
شوال	۱۴۱۳ھ
اپریل	۱۹۹۳ء
فی شمارہ	۵/-
سالانہ زرِ تعاون	۵۰/-

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت	۳۰ سعودی ریال یا ۸ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔	۱۱ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۱۴ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر۔	۶ امریکی ڈالر

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

☆ عرض احوال ——— ۳

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ——— ۵

امریکہ میں مسلم فنڈا مینٹلزم کا فروغ!

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ الھدیٰ (قسط ۸۴) ——— ۱۷

اہل ایمان کے لئے ابتلاء و آزمائش: سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ توحید' اسلامی انقلاب اور اجتماعی عدل کی فکری اساس ——— ۲۷

بسلسلہ منہج انقلاب نبویؐ

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ کتابیات ——— ۳۹

تیرہواں کبیرہ: زکوٰۃ ادا نہ کرنا

ابو عبد الرحمٰن شبیر بن نور

☆ حسن انتخاب ——— ۵۱

عزیمت دعوت (۲)

مولانا ابوالکلام آزاد کے "تذکرہ" سے ماخوذ

تخلیص و تدوین: ڈاکٹر محمد عثمان

☆ افہام و تفہیم ——— ۶۱

"چہرے کا پردہ اور اسلام" (۲)

حافظ خالد محمود خضر

☆ رپورتاژ ——— ۶۵

امیر تنظیم کے سفر امریکہ' پیرس' سعودی عرب اور امارات کی اجمالی رپورٹ

☆ افکار و آراء ———

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

قرآن حکیم میں یہود کے بارے میں ایک سے زائد مرتبہ یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: "ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ" کہ یہود کے جرائم کی پاداش میں ان پر ذلت و مسکنت مسلط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ یہود کے بارے میں قرآن حکیم کا یہ فیصلہ اٹل ہے اور یہود کی پوری تاریخ قرآن حکیم کے ان الفاظ کی سچائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ تاہم فی الوقت یہ الفاظ یہود پر نہیں' امتِ مسلمہ پر منطبق ہوتے ہیں۔ یہود اِس وقت دنیا کی واحد سپرپاور امریکہ کے سہارے بڑی باغیرت زندگی گزار رہے ہیں[1] اور ساری دنیا کو سودی معیشت کے جال میں پھنسا کر اپنا دست نگر بنانے کی پالیسی میں پیہم کامیابی کی منازل طے کر رہے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جس سپرپاور کے سہارے انہیں دنیا میں عزت اور آزادی کا سانس لینا نصیب ہوا ہے' وہ اسی کی گردن پر سوار ہیں اور وہاں کا پورا معاشی نظام ان کے آہنی شکنجے میں ہے۔ جبکہ مسلمان تعداد میں یہود سے دہائی گنا زائد ہونے کے باوجود آج ذلت و رسوائی کی پاتال کو چھو رہے ہیں۔ پوری دنیا میں عزت و وقار نام کی کوئی شے مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے' دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں پر قافیہ حیات تنگ کیا جارہا ہے' کفر کی قوتیں مسلمانوں کے خلاف یکجا نظر آتی ہیں اور مسلمانوں کو زک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہیں' اقوامِ متحدہ کا رول محض یہ رہ گیا ہے کہ وہ دنیا کی واحد سپرپاور امریکہ کے مفادات کا تحفظ کرے اور یہودیوں کے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر وہ اصول وضع کرے جو مسلمانوں کے خلاف پڑتا ہو۔ چنانچہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی خاطر اس عالمی ادارے کے اصول ہر دم بدلتے رہتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اصولوں کو وضع کرنے کی

---

[1] قرآن حکیم میں اس استثنائی صورت کا بیان سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۱۲ ہے جس کی رو سے ذلت و رسوائی سے رستگاری دو صورتوں میں ممکن ہے۔ ایک صورت تو یہ کہ یہود صدقِ دل کے ساتھ اللہ کے دامن سے وابستہ ہوجائیں جس کی عملی صورت یہ ہوگی کہ وہ قرآن حکیم پر ایمان لاکر اسے مضبوطی سے تھام لیں اور دوسری صورت یہ کہ کچھ دوسرے لوگوں اور دوسری اقوام کے سہارے وقتی طور پر انہیں عزت و عافیت میسر آجائے جو یقیناً ایک عارضی صورت ہی ہو سکتی ہے۔

بنیاد جب اسلام دشمنی قرار پائے تو ..... بے اصولی ان کی دیکھا چاہئے! غرض یہ کہ جس زاویۂ نگاہ سے بھی دیکھا جائے ذلت و مسکنت آج امتِ مسلمہ ہی کا مقدر نظر آتی ہے۔ حالات کے رخ کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ آنے والا وقت امت کے لئے قطعاً خوش آئند نہیں ہے۔ کم از کم مستقبل قریب کی حد تک یہ بات بجا طور پر کہی جاسکتی ہے کہ ۔

اور کچھ روز فضاؤں سے لہو برسے گا
اور غمناک ابھی شب کے اندھیرے ہوں گے!

مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی اور اس المناک مستقبل کی ساری ذمہ داری خود مسلمانوں ہی پر عائد ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے کرتوتوں سے خود کو عذابِ الٰہی کا مستحق ثابت کیا ہے اور اللہ کے غضب کو دعوت دی ہے۔ تاہم اگر اللہ نے چاہا تو یہ ایک عارضی مرحلہ ہوگا اور اس کے بعد یہود لازماً کیفرِ کردار کو پہنچ کے رہیں گے' مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوگا اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا عالمی سطح پر نفاذ و قیام ہو کر رہے گا۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے!

ان خیالات کا اظہار امیرِ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے طویل بیرونی سفر سے واپسی پر باغ جناح میں اجتماعِ عید سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ پھر انہی نکات کی مزید وضاحت ۲۶ر مارچ کے خطاب جمعہ میں فرمائی۔ امیر تنظیم "نوائے وقت" کو آئندہ جو مضامین برائے اشاعت بھیجیں گے ان میں یہی موضوعات تفصیل سے زیر بحث آئیں گے جنہیں مناسب وقت پر قارئینِ میثاق کی نذر بھی کردیا جائے گا۔ قبل ازیں رمضان المبارک کی ۲۷ویں شب کو قرآن اکیڈمی لاہور میں دورۂ ترجمۂ قرآن کی تکمیل کے موقع پر امیر تنظیم نے اپنے مختصر خطاب میں حالیہ دورۂ امریکہ کے جو بعض تاثرات بیان فرمائے تھے' وہ "امریکہ میں مسلم فنڈا مینٹلزم کا فروغ" کے عنوان سے زیرِ نظر شمارے میں شامل ہیں۔ مزید بر آں اس طویل دورے کی ایک اجمالی رپورٹ بھی شاملِ شمارہ ہے!

☆ ☆ ☆

اس بار عید الفطر کے موقع پر باغ جناح لاہور میں نماز عید کا اجتماع کئی اعتبارات سے

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

تذکرہ وتبصرہ

ڈاکٹر اسرار احمد

امریکہ میں

مسلم فنڈا منٹلزم کا فروغ

عظمتِ قرآن کا جو انکشاف اس وقت پوری دنیا' بالخصوص امریکہ میں ہو رہا ہے او دعوت رجوع الی القرآن کے جو اثرات دنیا کے اس حصے میں ظاہر ہو رہے ہیں جس کے نتیجے میں مسلم فنڈا منٹلزم کو خود امریکہ میں ترقی حاصل ہو رہی ہے جس کی وجہ سے دشمنان اسلام کے حلقوں میں اس وقت ایک کھلبلی سی مچی ہوئی ہے' آج میں اسی موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

اس سال جب میں امریکہ پہنچا تو دوسرے ہی دن مجھے جمعہ کا خطاب کرنا تھا۔ نیو جرسی کے شہر ٹرینٹن (Trenton) میں خطاب تھا۔ اگرچہ وہاں میں کسی بھی موضوع پر تقریر کر سکتا تھا اس لئے کہ وہاں کے اکثر سامعین بالکل نئے تھے لیکن اچانک سورۂ بقرہ کے ساتویں رکوع کے آخری الفاظ کی طرف ذہن منتقل ہوا۔ یعنی: "وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ" ---- ہم عموماً ان الفاظ کو پڑھتے ہوئے گزر جاتے ہیں کہ یہ یہود کا ذکر ہے کہ ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے' حالانکہ واقعتاً اس وقت یہ صورت موجود نہیں ہے۔ اور یہودیوں پر نہ ذلت طاری ہے نہ مسکنت' اور نہ ہی وہ اس وقت مغضوب علیہم کی عملی تفسیر ہیں بلکہ وہ تو اس وقت دنیا کی بہت بڑی طاقت ہیں یہاں تک کہ دنیا کی واحد سپرپاور امریکہ ان کے شکنجے میں ہے بقولِ اقبال ؏

فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے

اور ہر شخص جانتا ہے کہ اقتصادی لحاظ سے پوری دنیا پر ان کا کامل تسلط ہے۔ اصل میں تو ان الفاظ مبارکہ کے مصداق آج وہ نہیں ہم مسلمان ہیں' ذلت اور مسکنت تو ہماری -

تقدیر بن چکی ہے کہ تعداد میں سوا ارب سے زیادہ ہونے کے باوجود عالمی معاملات میں ہماری وقعت نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمارے بارے میں فیصلے کہیں اور ہوتے ہیں، ہماری دولت، ہمارے وسائل پر دوسروں کا قبضہ ہے، ہماری پالیسیاں تک وہاں بنتی ہیں۔ چنانچہ اس مرتبہ امریکہ میں میری تقریروں کا اصل موضوع یہی رہا ہے جس پر مفصل گفتگو ان شاء اللہ اگلی نشست میں ہوگی۔

امریکہ میں میری آمدورفت 1979ء میں شروع ہوئی - گو سرسری دعوت تو مجھے کئی سال قبل سے ملتی رہی تھی لیکن ایک مرتبہ ایک صاحب نے 'جو ڈاکٹر ہیں' بات کی تو میں نے کہہ دیا کبھی سنجیدگی سے بلائیں گے تو سوچوں گا۔ انہوں نے وہاں جاکر باقاعدہ دعوت نامہ اور ٹکٹ بھیج دیا اور یوں پروگرام تشکیل پاگیا۔ ذہن میں اصل بات یہ تھی کہ گلوب کی دوسری طرف جو ایک دوسری دنیا آباد ہے، اور جہاں اس سے قبل کبھی جانا نہیں ہوا تھا اور کچھ نہ ہو تو اس کی سیر ہی سہی' یہ دوسری بات ہے کہ وہاں نہ صرف یہ کہ ہماری قرآنی دعوت کا بھرپور آغاز ہوگیا بلکہ اضافی نفع کے طور پر وہاں مولانا مودودی مرحوم کے جنازے میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہوگئی۔ ان کا انتقال اسی سال بفیلو میں ہوا تھا۔ میں اگست میں امریکہ گیا تھا اور عیدالفطر کی نماز بالٹی مور میں پڑھائی تھی۔ اس کے بعد ٹورنٹو چلاگیا۔ اس کے قریب ہی بفیلو میں مولانا مقیم تھے۔ وہیں ان کا انتقال ہوا۔

امریکہ کے اس پہلے سفر کے مشاہدات کی بنا پر اس وقت میرا بڑا گہرا تاثر تھا کہ وہاں کثیر تعداد میں مسلمان ڈاکٹرز ہیں، انجینئرز ہیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں جن میں بڑا مذہبی جذبہ ہے۔ تبلیغی کام کررہے ہیں، سنٹرز بنارہے ہیں۔ عجیب عجیب نقشے سامنے آئے۔ ایک فیملی ہے جس میں میاں بیوی اور تین چار بچے ہیں۔ بچے نے اذان دی، گھر کا سربراہ امامت کرارہا ہے، ماں اور بچے جماعت کی شکل میں کھڑے ہیں۔ یہ حالات دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی اور اندازہ ہوا کہ واقعتاً یہاں اسلام کے لئے کام کرنے کا بہت بڑا موقعہ ہے۔ لیکن میرا یہ تاثر زیادہ دیر قائم نہیں رہا۔ بلکہ ایک دو سال بعد ہی محسوس ہوگیا کہ ساری تگ و دو ایک خاص حد تک ہے اور وہ بھی صرف اس لئے کہ کسی نہ کسی طرح اپنا تشخص قائم رکھا جاسکے۔ پاکستان میں ہوں تو میاں بیوی نماز نہ پڑھیں، تو بھی بچے دادا دادی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ ہی لیں گے۔ کوئی نانا کے ساتھ مسجد میں بھی چلا جائے گا۔

لیکن وہاں یہ خطرہ تھا کہ بچے سرے سے اپنی تہذیب سے ہی نابلد رہ جائیں گے --- لیکن اس سے آگے بڑھنے کو کوئی تیار نہیں تھا۔ مجھے تقریباً دوسرے تیسرے سال ہی اس کا اندازہ ہوگیا تھا لیکن وہاں بعض حضرات سے ذاتی سطح پر کچھ برادرانہ مراسم ایسے قائم ہوگئے کہ ان کی دعوت اور اصرار پر میں وہاں جاتا رہا۔ تین سال قبل میں نے ڈیٹرائیٹ میں ایک تقریر کی تھی جس میں اپنے وہاں کے رفقاء و احباب کے سامنے نہایت مایوسی اور بددلی کا اظہار کیا تھا کہ "آپ لوگ کچھ کام کرنے کو تیار نہیں ہیں' محض نشستند' گفتند اور برخاستند کا سلسلہ ہو رہا ہے۔ اگر یہی کچھ کرنا ہے تو اس کے لئے ہر شہر میں اسلامک سنٹرز موجود ہیں' ان کے ساتھ رہ کر کام کریں۔ کسی نئی تنظیم یا جماعت کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے!" --- البتہ اس وقت مجھے ایک خاص حوالے سے امید کی ایک کرن نظر آئی تھی اور وہ یہ کہ جو نئی نسل وہاں پر پیدا ہوئی تھی' وہ اب سنِ شعور کو پہنچ رہی تھی۔ کوئی بچہ ہائی سکول اور کوئی کالج میں پہنچ گیا تھا۔ انکا ذہنی ارتقاء خوداعتمادی کا مظہر تھا اور ان میں وہ احساسِ کمتری نہیں تھا جو ان کے والدین میں نظر آتا تھا۔ یہ وہیں پیدا ہوئے اور وہیں کے سکولوں میں تعلیم حاصل کی' اس لئے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہاں کی مقامی نسل سے بات کرسکتے تھے۔ مجھے امید کی کرن دکھائی دی تھی کہ دین کا صحیح جذبہ اگر ان میں بیدار ہوجائے تو ان میں سے ہر ایک ہمارے ہاں کے کم ازکم سو کے برابر ہوگا۔

یہ میرا تاثر تین سال قبل تھا۔ اس مرتبہ مجھے اس کی توثیق حاصل ہوئی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے پرانے ساتھیوں میں سے تو بہت سے بعد میں بددل ہوگئے۔ میں بھی یقیناً وہاں کے بارے میں انتہائی مایوس ہوچکا تھا کہ وہاں کوئی کام نہیں ہو سکتا اور مزید اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن اس دفعہ میں نے محسوس کیا کہ واقعتاً وہ نئی نسل خاصی بڑی تعداد میں فعال ہوکر سامنے آچکی ہے۔

واقفانِ حال کا کہنا ہے کہ امریکہ میں اس وقت عام اندازوں کے برعکس دس ملین کے قریب مسلمان آباد ہیں۔ ان میں پانچ ملین تو ایفروامریکن ہیں جن کے آباء و اجداد کو افریقی ممالک سے غلام بنا کرلایا گیا تھا۔ اسلام کے ساتھ ان کا تعلق تو بالعموم روایتی قسم کا ہی ہے لیکن جذبے اور جوش کی فراوانی ہے۔ یوں بھی انہیں برابر کے شہری ہونے کا دعویٰ ہے اور آپ حیران ہوں گے کہ وہ خود کو گوروں سے برتر سمجھتے ہیں۔ باقی پانچ ملین

کا تعلق ہند و پاک اور عرب ممالک سے ہے۔ ان میں اردو بولنے یا سمجھنے والے کم از کم پچاس فیصد ہوں گے۔ اس بار میں نے یہ بات شدت کے ساتھ محسوس کی کہ جن گھروں میں اردو سمجھی جاتی ہے ان میں شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو گا جہاں مولانا مودودی مرحوم کی تفہیم القرآن اور میرے دروسِ قرآن اور خصوصاً دورۂ ترجمۂ قرآن کے آڈیو کیسٹ موجود نہ ہوں۔ چونکہ بڑے شہروں کے مضافات میں مقیم حضرات کو تقریباً تین چار گھنٹے روزانہ کار کے ذریعے سفر کرنا ہوتا ہے اس لئے آڈیو کیسٹ کی افادیت بہت نمایاں ہے اور یوں امریکہ کے رہنے والوں کے لئے اردو کے حوالے سے قرآن کے ساتھ تعلق کا، اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست ذریعہ پیدا کر دیا ہے۔

یہ اللہ کی حکمت ہے کہ رجوع الی القرآن کی دعوت مملکت خداداد پاکستان میں اٹھی۔ لیکن اس کے لئے اللہ نے سات سمندر پار رہنے والے نوجوان مسلمانوں کے دلوں میں ایسی محبت پیدا کر دی جو بادی النظر میں فیصلہ کن دکھائی دیتی ہے۔ سورۂ انعام کی آیت ۸۹ میں ہے کہ اے نبیؐ! آپ پریشان نہ ہوں "اگر یہ (مکہ والے) قرآن کی اس دولت کی ناقدری کریں گے تو ہم نے دوسری قوم تیار کر رکھی ہے جو ہرگز اس اس کی ناقدری نہیں کرے گی" ـــــ مختصر یہ کہ یہ سب کچھ خاص مِن جانب اللہ ہے، اس لئے کہ اس میں ہماری کوئی مخصوص تدبیر کار فرما تھی، نہ ارادے کو دخل حاصل تھا!

میں نے اس سال ایک گورے امریکی نومسلم دانشور کی تقریر سنی۔ شکاگو ہی میں ایک مسلم انسٹی ٹیوٹ ہے، وہاں ایک سیمینار تھا۔ مجھے اس کا کیسٹ دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اس دانشور نے امریکہ میں مقیم مسلمانوں کے اب تک کے حالات کا بہت خوبصورت تجزیہ کیا ہے۔ میں حیران رہ گیا کہ اگرچہ وہ ساری چیزیں میرے ذہن میں بھی تھیں اور میرے مشاہدات میں شامل تھیں لیکن میں منطقی طور پر انہیں اس طرح جوڑ نہیں سکا تھا جس طرح اس تقریر میں میرے سامنے آئیں۔ ان صاحب نے اس صدی کی ساتویں دہائی میں امریکہ آ بسنے والوں کے ارتقائی مدارج کی ان لوگوں کے ساتھ ایک مناسبت قائم کی ہے جنہوں نے اب سے دو ڈھائی سو سال قبل یورپ کے مختلف ممالک سے منتقل ہو کر امریکہ آباد کیا تھا۔ یورپ سے جو تارکینِ وطن آئے تھے ان کے ہاں بھی تقریباً اسی، یا ستر، ستر برس کے تین ادوار گزر چکے ہیں۔ میں ان کی تفصیل میں نہیں جا سکتا مگر اس کا کہنا ہے

کہ وہی تین ادوار ایک چھوٹے پیانے پر ان تارکینِ وطن پر بھی گزر چکے ہیں جو 1960ء کے عشرہ میں یہاں آئے تھے اور جن کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ گویا دس دس سال کے تین ادوار گزار کر اب یہ نسل تیسری سٹیج کو پہنچ گئی ہے۔ ان صاحب کا تجزیہ یہ تھا کہ پہلے مرحلہ میں یہ لوگ بطور طالب علم آئے تھے اس لئے ان کی سرگرمیاں بھی تیز و تند تھیں اور ان میں جوش' جذبہ اور انقلابی رنگ نمایاں تھا۔ بعد ازاں انہیں محسوس ہوا کہ یہاں دنیوی ترقی کے مواقع نسبتاً زیادہ ہیں' خاص طور پر ہندوستانی مسلمان کے لئے ہندوستان واپس جانے میں کوئی کشش نہ تھی۔ پاکستان میں بھی سوائے ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے 'اور رکھا ہی کیا تھا۔؟ لہٰذا انہوں نے وہیں آباد ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ اس طرح دوسرا مرحلہ وہاں پاؤں جمانے' پھیلنے' پھلنے اور پھولنے کا تھا اور اس کے لئے ماحول سے مطابقت ضروری تھی۔ لہٰذا سود پر مکان بھی لئے گئے اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی بھی تکمیل کی گئی - یوں یہ لوگ گویا سنہری زنجیروں کے اندر جکڑے گئے اور ان کا انقلابی جذبہ سرد پڑتا چلا گیا۔ لیکن انہوں نے بہرحال اتنا ضرور کیا کہ اپنی اگلی نسل کو بچانے کے لئے کچھ اسلامک سنٹرز قائم کئے اور جگہ جگہ کمیونٹی سنٹرز اور مساجد وغیرہ کا اہتمام کردیا جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اگلی نسل میں اسلام کے ساتھ ایک علامتی تعلق بھی موجود رہا اور اس پر مستزاد اسلام کا جو تصور انہیں اپنے بزرگوں کے ذریعے حاصل ہوا اس میں کم از کم نظری طور پر ریڈیکل انداز موجود تھا۔ دوسری طرف پختگی اور خوداعتمادی انہیں مقامی تعلیمی اداروں کے ذریعے میسر آگئی۔ اس طرح اب وہاں ایک ایسی نسل پروان چڑھ چکی ہے جو اپنے بڑوں کو بجاطور پر منافقت کا الزام دے رہی ہے کہ آپ اسلام اسلام تو کرتے ہیں مگر جو کچھ آپ کر رہے ہیں وہ اسلام نہیں ہے۔ سوچ کا یہ انداز اسلام کی صحیح انقلابی فکر کی ابتداء کا آئینہ دار ہے۔

اس کے علاوہ امریکہ میں آباد یہ لوگ جیسے بھی ہیں' اپنے ممالک میں اسلامی تحریکوں کی بھرپور مدد کر رہے ہیں۔ پاکستان کے لوگوں میں جماعت اسلامی کا ایک حلقہ "اکنا" (اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ) کے نام سے قائم ہے۔ اگرچہ وہاں پر ان کی سرگرمیاں اس سے زیادہ نہیں ہیں کہ کچھ مطبوعات وغیرہ کا اہتمام کردیا جائے یا مختلف تقاریب بہر ملاقات کا سامان کردیا جائے تاہم جماعت اسلامی پاکستان کے ساتھ مالی تعاون

میں کمی نہیں آنے دیتے جس سے پاکستان کی جماعت کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔
اسی طرح عرب ممالک کے نوجوان ہیں۔ ان میں بڑی تعداد مصر کے نوجوانوں کی ہے۔ گو کہ ان کی سرگرمیاں بھی مقامی طور پر بہت حد تک محدود ہیں لیکن مصر میں جو بنیاد پرست تحریک چل رہی ہے اس کو وہ لوگ فیصلہ کن اخلاقی اور مالی تعاون فراہم کر رہے ہیں۔ اسی طرح شام کے لوگوں کی بھی کثیر تعداد ہے۔ حافظ الاسد کے مظالم کے نتیجے میں بہت سے لوگ جانیں بچا کر یہاں بھاگ آئے۔ یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہت عمدہ ذہن رکھنے والے لوگ ہیں۔ امریکہ کی طرزِ معاشرت اور رہن سہن اختیار کر چکے ہیں' اور اس کے جو بھی تقاضے ہیں خود تو اس سے نہیں نکل سکتے لیکن اپنے ملک میں احیائی تحریکوں کی برابر مدد کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صیہونی حلقے اور خصوصاً اسرائیل میں اِس وقت بڑی تشویش پائی جاتی ہے۔ ان کے کئی بیانات آئے ہیں کہ جو کچھ مصر اور الجزائر میں ہو رہا ہے' اسی طرح مقبوضہ فلسطین میں حماس کا جو کچھ معاملہ ہے یہاں تک کہ سعودی عرب میں جو نوجوان تحریکی لحاظ سے کافی فعال ہو گئے ہیں تو ان سب کو غذا امریکہ سے مل رہی ہے۔ ان بیانات کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب ایف بی آئی نے ایسے مراکز کی نگرانی شروع کروی ہے۔ اگرچہ امریکہ کا دستور انسانی حقوق کا علمبردار ہے' وہاں آزادیاں ہیں' مستحکم عدالتی نظام اور قوانین موجود ہیں' اس اعتبار سے وہاں کسی فوری اقدام کا معاملہ تو نہیں ہو سکتا لیکن معاش کے معاملے میں ذرا بھی رکاوٹ آجائے تو وہاں' سانس لینا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں جو دھماکہ ہوا ہے' اس کا الزام بھی ایک مسلمان پر ڈال دیا گیا ہے۔ شیخ عمر عبدالرحمٰن جو مصر سے جلاوطن ہوئے وہ اس وقت نیوجرسی کے شہر جرسی سٹی میں مقیم ہیں۔ انہیں وہاں سے نکالنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ بڑے بڑے مضامین شائع ہو رہے ہیں کہ یہاں امریکہ میں بیٹھ کر یہ شخص مسلم فنڈا منٹلزم کو ہوا دے رہا ہے۔ حسنی مبارک انتہائی زور لگا رہا ہے کہ اسے واپس ہمارے حوالے کرو۔ ایک عدالت نے ان کے بارے میں فیصلہ بھی دے دیا ہے کہ امریکی حکومت انہیں امریکہ سے نکال سکتی ہے' لیکن ساتھ ہی اخبارات میں یہ وضاحت بھی آئی ہے کہ اگر انہوں نے اپیل کر دی تو یہ سالہا سال چلے گی اور یہ شخص آرام سے یہاں بیٹھا رہے گا۔ بایں ہمہ انہیں اپنی جان کا خطرہ تو مول لینا ہی ہو گا۔ کسی وقت بھی یہودی لابی کا کوئی شخص حملہ کر سکتا ہے۔ وہاں

پر کرائے کے قاتل بہت سستے ہیں۔ ان کے ذریعے کئی دانشوروں کو قتل کرایا جاچکا ہے۔ ڈاکٹر فاروقی کا قتل ہوا۔ میجر اسلم صاحب' جنہوں نے پاکستان آرمی سے ریٹائر ہو کر مدینہ یونیورسٹی سے فراغت حاصل کی تھی اور پھر امریکہ میں تبلیغی کام کر رہے تھے انہیں بھی اسی طریقے سے شہید کیا گیا تھا ---- لیکن اگر ایک آدمی اپنی جان کا خطرہ مول لیکر ڈٹا رہے تو پھر قانون اس کا ساتھ دیتا ہے۔ قانون کسی دھاندلی سے کام لینے کا موقعہ نہیں دیتا' لیکن پھر بھی محسوس ہوتا ہے کہ امریکہ میں بنیاد پرست مسلمانوں کے لئے کام کی یہ مہلت زیادہ لمبی نہیں ہوگی۔ ویسے بھی اب واقعات کی رفتار تیز ہونے والی ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے بھی کام کا وقت کم ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کو میرزا عبدالقادر بیدل کا یہ مصرعہ بہت پسند تھا ع

"اے ز فرصت بے خبر' در ہرچہ باشی زود باش!"

اخوان اور جماعت اسلامی کے حلقوں میں وہ لوگ شامل ہیں جو ساٹھ کی دہائی میں عرب ممالک اور ہندو پاکستان سے وہاں گئے تھے لیکن نوجوان نسل ان دونوں سے مایوس ہوچکی ہے لہٰذا عرب نوجوانوں پر مشتمل ایک نئی تحریک "حزب التحریر" کے نام سے جوش وجذبے کے ساتھ سرگرم ہے۔ یہ تنظیم عرب ممالک میں کہیں نہیں ہے بلکہ سب کی سب بیرون عرب ہے۔ تقی الدین نبہانی' جن کا انتقال ہوچکا ہے' بڑے انقلابی آدمی تھے۔ انہوں نے تحریکِ خلافت شروع کی تھی اور اپنی تنظیم کا نام "حزب التحریر" رکھا تھا۔ یہ تھے تو اردن کے' لیکن وہاں سے نکال دیئے گئے تھے' کوئی اور ملک بھی ان کو لینے کو تیار نہیں تھا لہٰذا جیسے آج چار سو فلسطینی اسرائیل اور لبنان کے درمیان "نو مینز لینڈ" میں پڑے ہیں اسی طرح انہوں نے بھی اپنی عمر کا بقیہ حصہ اردن اور عراق کے درمیان "نو مینز لینڈ" میں گزارا۔ وہیں انہوں نے کچھ کتابیں لکھیں۔ آج 'حزب التحریر' کے نوجوانوں میں آگ بھری ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس وقت صحیح انقلابی جذبہ صرف انہی کے پاس ہے اور وہ یہ کہ حق کے سوا جو بھی ہے وہ باطل ہے' طاغوت ہے۔ چاہے وہ طاغوت مسلمان کے نام سے ہی کیوں نہ ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند نہیں وہ طاغوت ہے اور جو ملک اللہ کے احکام پر نہیں چل رہا وہ طاغوت ہے' اور اجتماعی سطح پر کفر کا مرتکب ہورہا ہے۔ افراد جیسے بھی مسلمان ہیں' وہ علیحدہ بات ہے۔ یہی بات کبھی مولانا

مودودی نے بہت زور دے کر کہی تھی جو بنیادی طور پر بالکل صحیح ہے کہ اسلام کا کسی شخصیت سے کوئی تعلق نہیں' نہ ہی یہ کسی قومیت کا نام ہے۔ یہ تو ایک نظریئے' ایک آئیڈیالوجی کا نام ہے' اللہ اور اس کے رسولؐ کو مان کر ان کے احکامات پر چلنے کا نام ہے۔ آپ نام اگر مسلمانوں کا سا رکھ لیں لیکن اسلام کے راستے پر چل نہیں رہے تو آپ محض دنیا کی حد تک مسلمان ہیں' حقیقی مسلمان نہیں ہیں۔ یہ انقلابی تصور ان کے ہاں بڑی شدت کے ساتھ موجود ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ہم خلافت کے نظام کو دوبارہ قائم نہیں کرتے' ہمارا سارا قومی و ملی وجود مجسم جھوٹ ہے (جیسے پنجابی میں کہتے ہیں گل دا گل کوڑا اے) سب ایک سراب اور دھوکا ہے اور کچھ نہیں۔ نہ یہ مملکتیں اسلامی ہیں اور نہ یہ تحریکیں اور نہ وہ جماعتیں حقیقی معنی میں اسلامی ہیں جو سیاسی میدان میں اقتدار کے کھیل میں شریک ہیں ! بلکہ ان میں سے بعض "الٹرا ریڈیکل" جذباتی نوجوان تو برملا کہہ گزرتے ہیں "طاغوت" ہونے کے اعتبار سے کسی حسنی مبارک اور کسی شاہ فہد اور کسی رابین اور کسی شامیر میں ہرگز کوئی فرق نہیں ہے! ریڈیکل نوجوانوں کا طبقہ اب بڑی تیزی سے ان کی طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ میرا ان حضرات اور اس تحریک سے آج سے تین سال قبل تعارف ہوا تھا میں نے محسوس کیا تھا کہ میری سوچ میں اور ان کی سوچ میں کافی قرب ہے۔ بعض اعتبارات سے بڑا فرق بھی ہے' وہ میں بعد میں بیان کروں گا۔ ان کے لیڈروں سے کئی مرتبہ گفتگو ہوئی ہے۔ ویسے یہ بنیادی طور پر ایک زیرِ زمین تحریک ہے۔اس کا اصل مرکز کہاں ہے؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ اصل قائد اب کون ہے؟ اس بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں ہے۔ غالباً ان کی چوٹی کی لیڈر شپ زیرِزمین ہے۔ سیکنڈلائن کے لوگ سامنے ہیں۔ اس بار بھی میرا ان سے بھرپور رابطہ رہا۔ نیویارک میں ان کا ایک بہت بڑا مرکز ہے "مسجد فاطمہ" --- وہاں انہوں نے خاص طور پر مجھے بلایا اور میں نے وہاں منہجِ انقلابِ نبوی پر مفصل تقریر کی۔ میرا اور ان کا اختلاف اسی میں ہے۔ اصل میں وہ جس طرح بھی ہو اقتدار پر قبضہ کرنے کے قائل ہیں۔ راستہ چاہے کوئی بھی ہو __ فوجی بغاوت ہو یا تخریب کاری' جو بھی ہو' وہ تختہ الٹ کر نظامِ خلافت قائم کرنے کے قائل ہیں۔ میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ میری کوشش یہ رہی ہے کہ ان حضرات کے سامنے منہجِ انقلابِ نبویؐ کو مدلل طور پر پیش کیا جائے۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی

ان کے ساتھ میری اسی موضوع پر مفصل گفتگو رہی اور وہاں ان کی جو بھی اس وقت کی ظاہری قیادت ہے وہ پوری کی پوری موجود تھی۔ ایک بڑی بدقسمتی کی بات یہ ہو رہی ہے کہ ریڈیکل اسلام' جس کی نمائندگی اب وہاں "حزب التحریر" کر رہی ہے اور اس کلچرل اور دھیمے دھیمے اسلام کے مابین' جسے جماعت اسلامی یا اخوان کے پرانے لوگ اور اسی طرح کے دوسرے لوگ لے کر چل رہے ہیں' شدید تصادم کا خطرہ ہے۔ اس کی ایک بھیانک مثال یہ سامنے آئی کہ لاس اینجلز کے مضافات میں واقع "اورنج کاؤنٹی" میں جہاں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا اور پرانا مرکز ہے' ان کے درمیان فساد ہوا' مسجد کو تالا لگا' جو گروپ منتخب ہوا تھا اس نے زبردستی قبضہ کیا' پھر دوسرے گروپ نے رات کو تالے توڑ کر قبضہ کیا' مقدمے چل رہے ہیں اور یہاں تک بات پہنچ گئی کہ جو گروپ اس وقت قابض ہے اس نے مخالف گروپ کے خلاف مقدمہ دائر کیا ہے کہ یہ "بنیاد پرست" ہیں' یہ یہاں خلافت کا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں اور یہ چونکہ امریکہ کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں' اس لئے ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم اپنی ممبر شپ سے ان کو خارج کردیں۔ چنانچہ طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ یہودی لابی کو موقعہ مل گیا کہ دیکھو یہ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ یہ دہشت گرد ہیں اور یہاں تختہ الٹنا چاہتے ہیں۔ یعنی جس بات کو یہودی ہوا دینا چاہتے تھے اور اسرائیل سے بیانات آرہے تھے اسے خود مسلمانوں کے ایک گروہ نے تقویت فراہم کردی ہے۔

"حزب التحریر" اور مسلمان ممالک میں جو دیگر تحریکیں چل رہی ہیں' ان کے اندر جذبہ بہت زیادہ ہے۔ آج کل آپ اخبارات میں "جماعہ اسلامیہ" کا نام سن رہے ہوں گے' یہ مصر کی تحریک ہے ---"جماعہ اسلامیہ" کو مصری "گماعہ اسلامیہ" کہتے ہیں یعنی اسلامی جماعت، لیکن پاکستان کی جماعت اسلامی یا ہندوستان کی جماعت اسلامی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ان سے میرا پہلا رابطہ 1979ء میں ہوا تھا۔ اپنے پہلے سفرِ امریکہ سے واپسی پر میں مصر میں ایک ہفتے کیلئے رکا تھا' میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا کہ ہمارے ہاں کی جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت دونوں کی خصوصیات اس میں موجود ہیں یعنی فکر انقلابی' جذبہ انقلابی' لیکن کردار' تدیّن' حلیہ' داڑھی' لباس' پائنچے سب تبلیغی۔ ہمارے ہاں یہ دو رنگ منقسم ہیں۔ بلکہ آپ کی دلچسپی کیلئے عرض کروں' میں جب یہاں میڈیکل کالج میں

پڑھتا تھا' ہمارے ملک میں پہلی مرتبہ "اخوان" کا نام سننے میں آیا۔ یہ 1950ء کے ابتدائی عشرہ کی بات ہے۔ میں نے مولانا مودودی مرحوم سے ان کے بارے میں پوچھا تو مولانا نے بڑی پیاری بات کہی کہ جب ہندوستانی مسلمانوں میں بیداری پیدا ہوئی اور لوگوں کے اندر خود شعوری آئی تو مختلف مزاجوں کے لوگ مختلف تحریکوں کی شکل میں منظم ہو کر بر سرِ عمل ہوگئے۔ جو خالص سیاسی اور قومی مزاج کے حامل تھے وہ مسلم لیگ کی طرف چلے گئے' جو لوگ ذہناً سیاسی تھے لیکن حریت کا فوری جذبہ زیادہ تھا وہ کانگریس اور جمعیت علمائے ہند کی طرف نکل گئے' جو عوامی خطباء تھے وہ احرار میں چلے گئے' خطابت گویا کہ احرار کی کنیز تھی' جن لوگوں میں نظم' ڈسپلن اور عسکریت کا مادہ زیادہ تھا وہ خاکساروں میں چلے گئے اور جو کوئی فکر و فہم کے ساتھ انقلابی تصورات کے حامل تھے وہ ہمارے ساتھ آگئے۔ گویا یہاں مختلف مزاج علیحدہ علیحدہ پروان چڑھے لیکن مصر میں "الاخوان المسلمون" میں' سوائے خالص قومی اور سیاسی عناصر کے جو وفد پارٹی کی صورت میں منظم ہوئے' جملہ دینی اور مذہبی عناصر جمع ہوگئے! چنانچہ "جماعہ اسلامیہ" میں بھی وہی سب عناصر موجود ہیں۔ حسن البناء شہید کے انتقال کے بعد اخوان منتشر ہوگئے' کوئی ایسا زبردست قائد نہ آسکا جو سب کو سنبھال سکتا۔ ان میں سے بعض لوگ متشدد ہوگئے' بعض کسی اور انداز کے ہوگئے' مگر "جماعہ اسلامیہ" کا سا انقلابی فکر' تقویٰ اور تدین کہیں اور نظر نہیں آتا۔ لیکن ان کے سامنے طریقِ کار واضح نہیں کہ کریں کیا' لہٰذا حکومت مخالف سرگرمیاں حتیٰ کہ دہشت آمیز کارروائیاں شروع کردیں۔ پوری مسلم دنیا کے اندر احیائی تحریکوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے' جذبہ کی کمی نہیں۔ سوچ ہے' فکر ہے' آمادگی ہے' جانیں دینے کے لئے تیار ہیں لیکن طریقِ کار کیا ہو؟ یہ سب سے بڑا خلا ہے۔ چنانچہ لوگوں کے سامنے بالعموم دو ہی طریقے آتے ہیں جو دنیا میں اس وقت معروف ہیں' یعنی "بیلٹ یا بُلٹ" ---- چنانچہ یا تو انتخابات کا راستہ چلتا نظر آتا ہے' جس سے حکومتیں بنتی اور بگڑتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ:

"کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب؟
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی"

کے مصداق اکثر جماعتیں اسی میدانِ سیاست کی دشت پیمائی میں قسمت آزمائی کر رہی ہیں۔ لیکن جب ادھر سے ناکامی ہوتی ہے تو مجبوراً مسلح تصادم کی راہ پر چل پڑتی ہیں جیسا

کہ الجزائر اور مصر میں ہو رہا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ آپ اس طرح حکومتوں کو' جن کی پشت پر دنیا کی اکلوتی سپرپاور موجود ہے' نہیں ہلا سکتے' تاوقتیکہ اس کے اولین تقاضے پورے نہیں ہوتے یعنی دعوت' تنظیم' تربیت' ایک جماعت اور ایک امیر کی قیادت' اور پھر ایک زبردست عوامی تحریک! لہٰذا لوگ جانیں دے رہے ہیں' ان کے خلوص اور اخلاص کا ثبوت تو مل رہا ہے لیکن اس طریقے سے یہ کام ہونے والا نہیں۔ یہ اللہ کا فضل اور اس کا شکر ہے کہ اس نے قرآن مجید کے ذریعے ہماری رہنمائی فرمائی ہے جس سے منہجِ انقلابِ نبویؐ واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔

اس وقت شدید ضرورت ہے کہ عالمِ اسلام میں جاری ان تمام تحریکوں کے درمیان رابطہ کی صورت پیدا ہو اور ایک مشترکہ لائحہ عمل طے کرنے پر توجہ مرکوز کی جائے تاکہ نوجوان نسل کے اندر اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا جو جذبہ ابھرتا ہوا محسوس ہو رہا ہے وہ صحیح فکری رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے رائیگاں نہ جاتا رہے۔

بقیہ: عرضِ احوال

منفرد و ممتاز تھا۔ گو باغ جناح میں امیر تنظیمِ اسلامی کو عید کا خطبہ دیتے اب کم و بیش پندرہ برس ہونے کو آئے ہیں لیکن یہ پہلی بار ہوا کہ عید کے اجتماع کو تنظیمِ اسلامی کے اجتماعِ عام کی شکل دی گئی۔ اجتماعِ عید کے تمام انتظامات تنظیمِ اسلامی حلقہ لاہور نے اپنے ہاتھ میں لئے اور اس کے لئے رفقاءِ تنظیم نے خصوصی محنت بھی کی اور اضافی وقت بھی لگایا۔ اخباری اشتہار اور پوسٹرز کے ذریعے عید سے قبل یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ اجتماعِ عید میں امیرِ تنظیمِ اسلامی کے خطاب کا موضوع ہو گا : امتِ مسلمہ پر عذابِ الٰہی کے سائے' مسیحِ دجال کی آمد آمد اور مسلمانانِ پاکستان کی ذمہ داریاں!" اور یہ کہ یہ خطاب' خلافِ معمول' کم و بیش ڈیڑھ گھنٹے پر محیط ہو گا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اکثر لوگ ذہنی طور پر تیار ہو کر آئے اور انہوں نے پوری دلجمعی اور دلچسپی سے اس مفصل خطاب کو سنا۔ اجتماع گاہ میں پارکنگ کے مناسب انتظام اور درست صف بندی کی جانب خصوصی توجہ دی گئی تھی۔ شرکاءِ اجتماع پر اس حسنِ انتظام نے خوشگوار تاثر چھوڑا۔ عید گاہ میں تین مقامات پر کتب و کیسٹ کے سٹال لگائے گئے جن کی جانب شرکاء کا رجوع ہماری توقع کے خلاف بہت

حوصلہ افزا تھا۔ امیر تنظیم کے خطاب کے اختتام پر شرکاء کو تنظیم اسلامی اور تحریکِ خلافت کے اساسی لٹریچر پر مشتمل ہدیۂ عید بھی پیش کیا گیا۔ اور اس طرح عید کا یہ اجتماع تنظیم اسلامی کے ایک بھرپور اجتماعِ عام کی صورت میں ڈھل گیا۔ الحمدللہ یہ کاوش بہت کامیاب رہی۔ اور رفقاءِ تنظیم نے بھی اس پروگرام کو کامیاب بنانے کی بھرپور کوشش کی۔ واضح رہے کہ اس ضمن میں تفصیلی ہدایات اور نقشۂ کار امیرِ تنظیم نے وسطِ رمضان میں اُس وقت ارسال فرمایا تھا جب وہ عمرہ کی ادائیگی کے لئے سعودی عرب میں مقیم تھے۔ اللہ کی تائید و توفیق سے یہ پورا پروگرام نہایت بھرپور اور کامیاب رہا۔ **فَلِلّٰہِ الحَمدُ وَالمِنَّۃ**

ملتزم تربیت گاہ

رفقاء تنظیم اسلامی نوٹ فرمالیں کہ آئندہ ملتزم تربیت گاہ ان شاء اللہ' ۲۳ تا ۲۹ر اپریل مرکزی دفتر تنظیم اسلامی' ۶۷۔ اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور میں منعقد ہوگی۔ انہی تاریخوں میں سالانہ محاضرات قرآنی کا انعقاد بھی ہوگا۔ تربیت گاہ میں شرکت کرنے والے رفقاء محاضرات میں بھی شریک ہوسکیں گے۔

سانحہ ارتحال

ہم ۲۲ مارچ بمطابق ۲۷ رمضان المبارک کو گڑھی دوپٹہ کومی کوٹ روڈ پر بس کے المناک حادثے کے نتیجے میں جاں بحق ہونے والے افراد کے اہل خانہ و پسماندگان اور خصوصاً تنظیم اسلامی کے بزرگ رفیق محمد اختر قریشی صاحب' ایاز بشیر شیخ اور عتیق احمد قریشی کے غم میں برابر کے شریک ہیں جن کے قریبی رشتہ دار اس حادثے میں جاں بحق ہوئے۔ ہم سب رفقاء تنظیم اسلامی دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور ہمیں اس صدمے کو جھیلنے کی ہمت و توفیق نصیب فرمائیں (آمین)۔

—— المرسل: ناظم تنظیم اسلامی حلقہ شمالی پنجاب و آزاد کشمیر ——

الہدیٰ قسط: ۸۴

مباحث صبر و مصابرت
درس: ۲

اہل ایمان کے لیے ابتلاء و امتحان سے گزرنا لازمی ہے!

سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع کی روشنی میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○
الٓمّٓ ۝۱ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا
اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝۲ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ
قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ
الْکٰذِبِیْنَ ۝۳ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ
یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ۝۴ مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ
اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۵
وَمَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ
عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَنُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ
کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۷ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا ؕ

وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝۹ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ
كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ
اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ
الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ ۝۱۱ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ
مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۲ وَلَيَحْمِلُنَّ
اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۳

ان آیات مبارکہ کا ترجمہ کچھ اس طرح سے ہے:

"الٓمٓ" کیا لوگوں نے یہ خیال کیا تھا کہ وہ محض یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا۔ درآنحالیکہ ہم نے آزمایا ہے ان کو جو ان سے پہلے تھے۔ پس اللہ ضرور ظاہر کرے گا سچے ایمان والوں کو اور انہیں بھی ظاہر کردے گا جو اپنے دعوئ ایمان میں جھوٹے ہیں۔

کیا برے عمل کرنے والوں کا یہ گمان ہے کہ وہ ہماری گرفت سے بچ نکلیں گے۔ بہت ہی بری رائے ہے جو انہوں نے قائم کی ہے۔ جو کوئی بھی اللہ سے ملاقات کا امیدوار ہے اسے جان لینا چاہئے کہ اللہ کا مقرر کردہ وقت آ کر رہے گا اور وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور جو کوئی جہاد کرتا ہے تو وہ اپنی جان (کی بھلائی) کے لئے ہی جہاد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہم لازماً دور کردیں گے ان سے ان کی برائیاں اور ہم لازماً انہیں ان کے اعمال کی بہترین جزا دیں گے۔ اور ہم نے انسان کو وصیت کی والدین سے بھلائی اور حسن سلوک کی۔ (لیکن) اگر وہ تجھ سے جھگڑیں (اور مجبور کریں) کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کے لئے تیرے پاس کوئی علم نہیں ہے تو ان کا ایسا کہا مت مان۔ میری ہی طرف تم سب کو لوٹنا ہے پھر میں تمہیں جتلا دوں گا جو کچھ کہ تم کرتے رہے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہم ضرور داخل کریں گے انہیں صالحین میں۔ اور لوگوں میں سے کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے لیکن اللہ کی راہ میں جب انہیں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی طرف سے ڈالی ہوئی اس آزمائش سے یوں گھبرا اٹھتے ہیں جیسے اللہ کے عذاب سے گھبرانا چاہئے۔ اور اگر آجائے مدد تیرے رب کی طرف سے تو وہ لازماً یہ کہیں گے کہ ہم بھی تمہارے ہی ساتھ تھے۔ تو کیا اللہ نہیں جانتا جو کچھ لوگوں کے سینوں میں چھپا ہے۔ اور اللہ تو لازماً ظاہر کردے گا ان کو جو واقعتاً مومن ہیں اور واضح کردے گا ان کو کہ جو حقیقتاً منافق ہیں۔ اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ کہتے ہیں ایمان والوں سے کہ ہماری پیروی کرتے رہو اور ہم تمہاری خطاؤں کا بوجھ اٹھالیں گے۔ حالانکہ وہ نہیں ہیں اٹھانے والے ان کی خطاؤں میں سے کچھ بھی۔ یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔ اور وہ لازماً اٹھائیں گے اپنے بوجھ بھی اور اپنے ان بوجھوں کے ساتھ کچھ مزید بوجھ بھی۔ اور ان سے لازماً باز پرس ہوگی قیامت کے دن اس جھوٹ کے بارے میں جو وہ

باندھ رہے تھے۔"

یہ ہے ان آیات مبارکہ کا ترجمہ۔ ابتدا ہی سے محسوس ہو رہا ہے کہ انداز کلام کچھ تیکھا ہے۔ اس کے پس منظر کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ ایک حدیث اس کی بڑی صحیح وضاحت کرتی ہے۔

پس منظر

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا گیا' مکی دور کے ابتدائی تین چار سال ایسے تھے کہ جس میں سرداران قریش' جنہیں قرآن حکیم نے "ائمۂ کفر" قرار دیا ہے' اس خیال میں رہے کہ ؏ "چڑھی ہے یہ آندھی اتر جائے گی" اور یہ کہ ہمارے اس نظام باطل کو کوئی حقیقی خطرہ درپیش نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس دعوت کو چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش کی' اس کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کا معاملہ کیا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ بات آگے بڑھ رہی ہے' ہمارے نوجوان اس دعوت کو قبول کر رہے ہیں' ہمارے غلاموں کے طبقے میں اس دعوت کا نفوذ ہو رہا ہے' تب وہ چونکے کہ ؏ "نظامِ کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے"۔ ان حالات میں جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے وہ اپنی پوری قوتِ مدافعت کو مجتمع کر کے حملہ آور ہوئے۔ اس حملے نے تشدد اور تعذیب (Persecution) کی شکل اختیار کی۔ دو طبقات اس تشدد کا سب سے زیادہ نشانہ بنے۔ ایک غلاموں کا طبقہ' جن کا نہ تو کوئی پرسانِ حال ہی تھا اور نہ ہی ان کے کوئی حقوق تھے' وہ تو اپنے آقاؤں کی ایسی ملکیت تھے جیسے بھیڑ اور بکری' کہ جب چاہا اسے ذبح کر دیا اور جو چاہا ان کے ساتھ سلوک کیا۔ لہٰذا اس بہیمانہ تشدد کا سب سے زیادہ شکار وہی لوگ ہوئے جو غلاموں کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اسی طرح آلِ یاسر جو اگرچہ غلام نہیں تھے لیکن باہر سے آکر شہر میں آباد ہونے کی وجہ سے اجنبی تھے' کوئی ان کا پشت پناہ' حامی اور مددگار نہ تھا اس لئے ابوجہل نے انہیں بدترین تشدد اور اپنے بہیمانہ انتقامی جذبات کا ہدف بنایا۔ چشم تصور سے دیکھئے امیہ بن خلف حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تپتی ہوئی پتھریلی زمین پر اوندھے منہ لٹا کر گھسیٹ رہا ہے' جبکہ سورج نصف النہار پر چمک رہا ہو اور آگ اگل رہا ہو۔ پھر

ان کے سینے پر ایک بھاری سِل بھی رکھ دی جاتی تھی۔ یہ تھا وہ اذیت ناک سلوک جو ان غلاموں اور بے یارومددگار لوگوں کے ساتھ اختیار کیا گیا۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تشدد کی جو حدیں توڑی گئیں اس کی ایک مثال اس واقعہ میں دیکھئے کہ ایک مرتبہ آگ جلائی گئی' دہکتے ہوئے انگارے زمین پر بچھادیئے گئے اور حضرت خبابؓ کو ننگی پیٹھ ان انگاروں پر لٹادیا گیا۔ کمر کی کھال جلی' چربی پگھلی اور اس سے بتدریج وہ انگارے سرد ہوئے!! تشدد کا یہ سلسلہ مسلسل تین چار سال تک اپنے پورے نقطۂ عروج پر رہا۔

اس دور کا ایک واقعہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سناتے ہیں کہ جب یہ مصائب ہمارے لئے ناقابل برداشت ہوگئے تو ایک روز ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت کعبے کے سائے میں اپنی چادر کا ایک تکیہ سا بنائے ہوئے استراحت فرمارہے تھے۔ ہم نے جاکر عرض کیا' اے اللہ کے رسول' صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ کی مدد کب آئے گی (اب ہمارا پیمانۂ صبر لبریز ہونے کو ہے اور برداشت کی انتہا ہوگئی ہے) حضرت خبابؓ فرماتے ہیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپؐ کے چہرۂ مبارک پر قدرے ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے اور آپؐ نے فرمایا' خدا کی قسم تم سے پہلے لوگ اللہ کی راہ میں مصائب اور شدائد میں یہاں تک مبتلا کئے گئے کہ توحید کا علم تھامنے کی پاداش میں ان میں سے کسی کو گڑھا کھود کر آدھے دھڑ تک گاڑ دیا جاتا اور پھر ایک آرا اس کے سر پر رکھ کر اسے چیرنا شروع کرتے یہاں تک کہ اس کا پورا جسم دو حصوں میں تقسیم ہوجاتا لیکن پھر بھی وہ لوگ توحید پر کاربند رہتے اور راہ حق سے ہٹنے کا نام تک نہ لیتے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوہے کی کنگھیوں سے لوگوں کے جسموں کو اس طرح مجروح کیا گیا کہ ان کی ہڈیوں پر سے گوشت کھرچ ڈالے گئے اور ایسا بھی ہوا کہ آگ کے الاؤ جلائے گئے اور ان میں زندہ انسانوں کو جھونک دیا گیا۔ تم پر تو ایسی کوئی مصیبت نہیں پڑی (تم لوگ جلدی مچا رہے ہو) وہ وقت آکر رہے گا کہ ایک سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے سوائے اللہ کے اور کسی کا خوف نہ ہوگا ---- کسی قدر خفگی کا یہ انداز جو اس حدیث مبارکہ سے سامنے آتا ہے وہی اسلوب یہاں سورۃ العنکبوت کی ابتداء میں جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ گویا ۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

تم نے اسے پھولوں کی سیج سمجھا تھا حالانکہ یہ وہ راستہ ہے جس میں آزمائشوں کی خار دار جھاڑیاں قدم قدم پر موجود ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں اللہ کی جانب سے اظہارِ خفگی یقیناً موجود ہے تاہم یہ بات ذہن میں رکھئے کہ جیسے کسی استاد یا مربی کا اپنے زیر تربیت تلامذہ کے ساتھ ہمیشہ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ کبھی وہ ڈانٹتا ہے تو کبھی دلجوئی بھی کرتا ہے' اور کبھی ہمت بڑھانے کے لئے شاباش بھی دی جاتی ہے اور کبھی زیر تربیت شخص کی طرف سے ذرا کم ہمتی کا مظاہرہ ہو یا اس سے کسی کمزوری یا تقصیر کا صدور ہو رہا ہو تو پھر زجرو توبیخ بھی ہوتی ہے' ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام لینا پڑتا ہے' اسی طرح اللہ جو سب کا حقیقی مربی ہے' وہ اپنے بندوں کے حق میں یہ دونوں صورتیں استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس ڈانٹ میں بھی ایک شفقت ہوتی ہے' وہ محبت سے خالی نہیں ہوتی۔ وہ عتاب درحقیقت محبت آمیز ہوتا ہے۔ تربیت کے عمل میں یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ تربیت کا یہی اسلوب سورۂ عنکبوت کے اس پہلے رکوع میں بہت نمایاں ہے۔

آیات کی تشریح

اس رکوع کی پہلی آیت جو سورۂ عنکبوت کی بھی پہلی آیت ہے' حروف مقطعات پر مشتمل ہے۔ ان کا مفہوم و معنی کیا ہے؟ ہمارے اس منتخب نصاب میں چونکہ حروفِ مقطعات کا ذکر پہلی بار آرہا ہے لہٰذا اس کی کسی قدر وضاحت ضروری ہے۔ تاہم یہاں صرف اسی قدر سمجھ لیجئے کہ ان کے حتمی اور یقینی معنی کوئی نہیں جانتا۔ یہ ایک راز ہے اللہ اور اس کے رسول کے مابین۔ کہنے والوں نے بہت کچھ کہا ہے' ان کے مفہوم کی تعیین میں عقل و خرد کے گھوڑے دوڑائے گئے ہیں' ظن و تخمین سے بھی بہت سی باتیں کہی گئیں لیکن حق بات یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ہی ان کی اصل مراد سے واقف ہیں۔ اگلی آیت پر نظر کیجئے:

"**اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا**" کہ کیا لوگوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے' انہیں چھٹکارا مل جائے گا' جہنم سے نجات حاصل ہوجائے گی اور جنت

میں داخلہ ہو جائے گا، صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے۔

یہاں یہ بات نوٹ کیجئے کہ مسلمانوں سے براہ راست خطاب کی بجائے صیغہ غائب میں ان سے گفتگو ہو رہی ہے۔ یوں نہیں فرمایا کہ "اے مسلمانو کیا تم نے یہ سمجھا تھا....." بلکہ فرمایا "کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا..." یہ اجنبیت اور غیریت کا انداز ہے جو درحقیقت خفگی اور ناراضگی کو واضح کرنے کے لئے بڑا ہی لطیف پیرایہ ہے۔

ذرا اس پس منظر میں اپنا جائزہ لیجئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ آج کے مسلمان کی سوچ کیا ہے؟ انہوں نے تو پھر بھی دعوتِ ایمان کو شعوری طور پر قبول کیا تھا، اگر "**اٰمَنَّا**" کہا تھا تو اپنے کچھ آبائی عقائد کو چھوڑ کر کہا تھا، ایک انقلابی قدم اٹھایا تھا گویا ایک طرح کا مجاہدہ اور ایثار کیا تھا اور ایک ہم ہیں کہ بس ایک متوارث مذہبی عقیدے کی بنیاد پر مسلمان ہیں، عمل کا خانہ بالکل خالی ہے، یقین قلبی کی دولت سے محروم اور عملی اعتبار سے دین و مذہب سے کوسوں دور، لیکن سمجھے یہ بیٹھے ہیں کہ ہم تو بخشے بخشائے ہیں، جنت ہمارا پیدائشی حق ہے، فوز و فلاح تو ہمیں ہی ملنی ہے۔ اس پس منظر میں ذرا اس آیہ مبارکہ کو پڑھئے اور بار بار پڑھئے!---

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ○

"کیا لوگوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے محض یہ کہنے پر کہ
ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا"

کیا ان کی جانچ پرکھ نہیں ہوگی، انہیں ٹھوک بجا کر نہیں دیکھا جائے گا کہ کتنے پانی میں ہیں، کیا واقعی ایمان ان کے دلوں میں جاگزیں ہو چکا ہے یا یہ صرف منہ کا پھاگ ہے جو کھیلا جا رہا ہے؟ فتنے کا لفظ اس سے پہلے سورۂ تغابن میں بھی آ چکا ہے:

"**اِنَّمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَ اَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَۃٌ**"۔ فتنہ عربی میں کسوٹی کو کہتے ہیں جس پر گھس کر کھرے اور کھوٹے کی پہچان کی جاتی ہے، جس پر سونے کو رگڑ کر یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ زرِ خالص ہے یا اس میں کھوٹ شامل ہے، اور اگر کھوٹ شامل ہے تو کتنا ہے۔ اللہ کی راہ میں یہ مشکلات و مصائب، یہ تکالیف و آلام، یہ ایذائیں اور یہ قربانیاں، یہ سب درحقیقت کسوٹی کے درجے میں ہیں جن پر تمہیں پرکھا جا رہا ہے۔ یہ تمہارے ایمان کا ٹیسٹ ہے، یہ سب تمہارے ایمان کی صداقت کا ثبوت فراہم کرنے کا ذریعہ ہیں!!

اللہ کی مستقل سنت

اگلی آیت میں فرمایا: "وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" کہ ہماری تو یہ سنت ثابتہ ہے، ہمارا تو یہ مستقل طریقہ اور قاعدہ رہا ہے کہ جس نے بھی ایمان کا دعویٰ کیا ہم نے اسے جانچا اور پرکھا، اسے امتحانات اور آزمائشوں سے دوچار کیا تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے اس طرح ہم نے کھرے کو کھوٹے سے ممیز کیا اور سچے کو جھوٹے سے ممتاز کر دکھایا۔ "فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ○" لفظی ترجمہ تو یہ ہوگا "اللہ ان کو جان کر رہے گا کہ جو سچے ہیں" لیکن چونکہ علمِ الٰہی قدیم ہے، اللہ کو کسی چیز کے جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ علم از خود اور وقوع سے پہلے اسے حاصل ہے لہٰذا یہاں اس سے مراد ہوگی کہ اللہ ظاہر کردے گا، کھول دے گا، اصل حقیقت کو بے نقاب کردے گا۔ یہاں نوٹ کیجئے کہ الفاظ ایسے لائے گئے ہیں کہ عربی زبان میں تاکید کے لئے اس سے اوپر اور کوئی اسلوب نہیں ہے۔ فعل مضارع سے قبل لام مفتوح اور اس کے آخر میں نون مشدد۔ "لَیَعْلَمَنَّ"۔ یہ گویا تاکید کا آخری اور انتہائی انداز ہے جو عربی زبان میں مستعمل ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ ضرور واضح کرے گا، لازماً کھول کر رکھ دے گا کہ کون لوگ سچے ہیں اور کون جھوٹ موٹ کا دعویٰ ایمان کررہے ہیں۔ یہاں لفظ "صَدَقُوْا" کو بھی خاص طور پر نوٹ کیجئے۔ آیۂ بِر بھی اسی پر ختم ہوئی تھی: "اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○" اسی طرح سورۃ الحجرات کی آیات نمبر ۱۵ کا اختتام بھی اسی لفظ پر ہوا: "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○" گویا صادق القول اور مخلص مسلمانوں کو جھوٹے اور دغاباز مدعیانِ ایمان سے ممیّز و ممتاز کرنا درحقیقت آزمائش کا اصل مقصود ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۴

یہ مضمون قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر آیا ہے اور اسی شان کے ساتھ اور اسی گھن گرج کے ساتھ آیا ہے۔ اسی طرح کان کھول کر سنایا گیا ہے کہ ابتلاء اور آزمائش تو لازماً آئے گی۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر دو سو چودہ میں فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○

"اے مسلمانو، کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جنت میں (بآسانی) داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات وارد ہی نہیں ہوئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ (حضرت خبابؓ بن الارت کے حوالے سے جو حدیث ابھی بیان ہوئی تھی، یوں معلوم ہوتا ہے کہ بالکل وہ اسی آیہ مبارکہ کی ترجمانی ہے کہ وہ کٹھن مراحل اور بڑے بڑے امتحانات تو ابھی اس راہ میں تمہیں درپیش ہی نہیں ہوئے۔) ان پر فقر و فاقے کی سختیاں آئیں، اور بہت سی جسمانی تکالیف انہیں جھیلنی پڑیں اور وہ ہلا ڈالے گئے، (جھنجھوڑ دیئے گئے) یہاں تک کہ پکار اٹھے (چیخ اٹھے) وقت کے رسول اور ان کے ساتھی اہل ایمان کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (اس وقت انہیں بتایا گیا کہ) آگاہ رہو، اللہ کی مدد قریب ہے"۔

یہ ہے امتحان و آزمائش کی وہ کسوٹی جس کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔

ایمان کی اس راہ میں قدم رکھو تو ذہنی طور پر تیار ہو کر آؤ کہ آزمائشوں اور امتحانات سے گزرنا ہوگا۔ تکالیف اور مصائب تو اس راہ کے سنگ میل ہیں اور یہ سب چیزیں اہل ایمان کو جانچنے اور مزید نکھارنے کا ذریعہ ہیں۔ باد مخالف کی تندی سے گھبرا اٹھنے کی بجائے اسے خوش آمدید کہنا چاہئے کہ "؏ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے"

سورۂ آل عمران اور سورۂ توبہ کی آیات

یہی مضمون سورۂ آل عمران میں ان الفاظ میں وارد ہوا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ

(آل عمران: ۱۴۲)

"کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر ہی نہیں کیا (جانچا ہی نہیں) کہ کون ہیں تم میں سے وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کون ہیں جو صبر کا دامن تھامے رہتے ہیں"۔

سورۃ الحج کے الفاظ "وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" ذہن میں لایئے۔ "اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے"۔ اور اسی میں اہل ایمان کے ایمان کی آزمائش مضمر ہے کہ کون ہیں جو اس کے نام پر اپنی جانوں کا ہدیہ پیش کرنے کو حقیقی کامیابی سمجھتے ہیں جیسے کہ ایک صحابی نے شہید ہوتے وقت کہا تھا "فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ" ربِّ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔ سورۂ توبہ میں اس مضمون کو دیکھئے:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلَا رَسُولِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ○

"کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تو یہ دیکھا ہی نہیں کہ کون ہیں تم میں سے وہ لوگ کہ جو جہاد کا حق ادا کرتے ہیں اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور سچے مومنوں کے سوا کسی اور کو اپنا بھیدی نہیں بنایا (جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے تمام دنیوی تعلقات پر خط تنسیخ پھیر سکتے ہیں) اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو"

تو بالکل اسی انداز سے سورۂ عنکبوت شروع ہوئی:

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ○

ابتلاء و آزمائش کی حکمت

اللہ کی راہ میں ابتلاء و آزمائش کی سب سے پہلی حکمت یہاں واضح کردی گئی ہے کہ کسی بھی انقلابی جدوجہد کے لئے کہ جو اس اہم کام کے لئے کھڑی ہو رہی ہو' یہ بات ضروری ہے کہ اس میں تطہیر ہوتی رہے' وقتاً فوقتاً چھانٹی ہوتی رہے۔ صرف مذہبی سطح پر انسانوں کی بھیڑ جمع ہو تو وہاں چھانٹی کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اگر نصب العین انقلابی ہو' اقامتِ دین کی جدوجہد درپیش ہو' کسی غلط نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر نظام حق کو برپا کرنا اور غالب و نافذ کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے جس قسم کی جماعت درکار ہوگی اس میں چھانٹی کا عمل ضروری ہوگا تاکہ کچے اور ناپختہ لوگ جھڑتے چلے جائیں اور صرف پختہ کار سرفروش' کہ جو دین کی راہ میں تن من دھن نثار کرنے والے ہوں اس جماعت کی ریڑھ

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

توحید'

اسلامی انقلاب اور اجتماعی عدل کی فکری اساس

ڈاکٹر اسرار احمد

اجتماعی نظام خواہ کوئی بھی ہو کسی نہ کسی فکری اساس پر قائم ہوتا ہے' اور اس کی بنیاد میں کائنات اور انسان کے بارے میں کوئی نہ کوئی فلسفیانہ تصور کار فرما ہوتا ہے۔ ادھر' اس عام غلط فہمی کے برعکس کہ "انقلاب" صرف تخریب اور توڑ پھوڑ کا نام ہے' حقیقت میں انقلاب سے مقصود موجود الوقت اجتماعی نظام کو کسی بہتر اور متبادل نظام سے بدلنا ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ متبادل نظام بھی لامحالہ کسی نظامِ فکر ہی کی اساس پر استوار ہو سکتا ہے' لہٰذا ہر انقلابی عمل کے لئے پہلی شرط لازم یہ ہے کہ کوئی انقلابی نظریہ ہو جو پیش نظر اجتماعی حیات و ممات سے متعلق جملہ مابعد الطبیعیاتی مسائل' اور خیر و شر' اور حق و باطل سے متعلق جملہ معیارات کے ضمن میں مکمل اور مربوط تصورات پر مشتمل ہو۔ چنانچہ ایسے کسی نظریئے کی نشر و اشاعت ہی سے انقلابی عمل کا آغاز ہوتا ہے۔

اس انقلابی نظریئے کے مؤثر و نتیجہ خیز ہونے کے لئے لازم ہے کہ وہ چند شرطیں پوری کرے اور چند معیارات پر پورا اترے' جو درج ذیل ہیں:-

۱) اولین اور اہم ترین یہ کہ وہ صرف "مذہبی" عقائد کے قبیل کی چیز نہ ہو' اور اسی طرح محض اخلاقی وعظ و نصیحت اور روحانی ارشاد و تلقین پر مشتمل نہ ہو بلکہ ایک تیز دھار آلے کے مانند موجود الوقت اجتماعی نظام کے کم از کم کسی ایک اہم گوشے کی جڑوں کو ضرور کاٹتا ہو۔ بصورت دیگر صرف پند و نصائح کا نتیجہ تو یہ نکلے گا کہ حاضر اور موجود اجتماعی نظام کو مزید تقویت حاصل ہوگی اور اسے کچھ نیک شریف، صالح، محنتی' قابل اعتماد، اور ہر اعتبار سے "بے ضرر" کارکن مہیا ہو جائیں گے! اس سے معلوم ہوا کہ اگر اجتماعی

نظام منصفانہ اور عادلانہ ہو تو اس صورت میں تو "کرنے کے اصل کام" واقعی یہی ہیں کہ لوگوں میں صرف خدا ترسی اور دیانتداری کے اوصاف پیدا کئے جائیں تاکہ وہ عادلانہ اور منصفانہ نظام مضبوط اور پائدار ہو سکے اور اسے بہترین کارکن مہیا ہو سکیں۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو یہ "مذہبی" اور "اصلاحی" کام جبرو ظلم اور استبداد اور استحصال کی تقویت کا ذریعہ بن جاتے ہیں! اور چونکہ انقلاب کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہی ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے نزدیک موجود الوقت نظام ظلم اور استحصال پر مبنی ہوتا ہے لہٰذا لازم ہے کہ وہ کوئی ایسا متبادل نظامِ فکر پیش کریں جو حقیقتِ کائنات و انسان' اور ماہیت خیر و شر کے ضمن میں انسان کی علمی پیاس کے لئے تسکین فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ وقت کے ظالمانہ اور استحصالی نظام کی جڑوں پر تیشہ بن کر گرے!

۲) یہ انقلابی فکر یا تو بالکل نیا ہونا چاہئے تاکہ لوگ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوں اور اس پر سابق تصورات سے ذہناً منقطع ہو کر غور کر سکیں' یا اگر وہ کسی قدیم نظریئے پر مبنی ہو تو لازم ہے کہ اس کی ایسی جدید تعبیر پیش کی جائے جو وقت کی ذہنی اور علمی سطح' اور مروجہ اصطلاحات اور عام محاورے کے مطابق ہو تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگوں کے ذہنوں تک "ابلاغ" کا حق ادا کیا جاسکے۔

مزید برآں یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ' کوئی قدیم نظریہ خواہ اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے کتنا ہی "انقلابی" کیوں نہ ہو' جب ایک طویل عرصے تک کسی ظالمانہ اور استحصالی نظام کی ماتحتی پر مجبور رہتا ہے تو ع "کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر!" اور ع "خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں!" کے مصداق اس کی بنیادی اصطلاحات کے مفہوم بدل جاتے ہیں' جس سے اس کے اصل تصورات پر پردے پڑجاتے ہیں (یہی حقیقت کبریٰ ہے جس کی جانب اشارہ کیا تھا علامہ اقبال نے اپنے خطبۂ الٰہ آباد میں جب انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر ہندوستان کے شمالی مغربی علاقے میں مسلمانوں کی ایک علیحدہ ریاست قائم ہوجائے تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی اصل تعلیمات پر جو پردے "عرب ملوکیت" کے دور میں پڑ گئے تھے' انہیں ہٹا کر اسلام کا اصل

روئے انور دنیا کے سامنے پیش کر سکیں!) ان حالات میں اگر ابلاغِ عامہ کے لئے ان ہی اصطلاحات کو ذریعہ بنایا جائے جن کے مفہوم بدل چکے ہوں' اور وہی اسالیب اور انداز اختیار کئے جائیں جو دورِ غلامی میں پروان چڑھے ہوں تو انقلابی عمل کے آغاز کی شرط اول بھی پوری نہیں کی جاسکتی اور روایتی انداز میں پوری محنت اور مشقت کے باوجود پنجابی استعارے : "کہ تونبا وجدا نئیں!" والی کیفیت برقرار رہتی ہے اور قدم آگے نہیں بڑھتے۔ بنابریں لازم ہے کہ انقلابی نظریہ اگر قدیم ہو تو اس کی جدید تعبیر پیش کی جائے۔ (اس معاملے میں بھی علامہ اقبال ہی کا حوالہ دیئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ اسی ضرورت کے تحت علامہ مرحوم نے "اسلام میں الٰہیاتِ جدیدہ کی تشکیل" کو اپنے مشہور خطبات کا موضوع بنایا تھا۔)

۴) ہر انقلابی نظریئے کو' خواہ وہ نیا ہو' خواہ کسی قدیم نظریئے کی تعبیر جدید پر مشتمل ہو' دو بظاہر "متضاد" تقاضوں کو لازماً پورا کرنا پڑتا ہے۔ یعنی ایک یہ کہ وہ عصری علوم کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ فکر اور فلسفہ کی سطح پر اتنا قوی اور مستحکم' اور مدلل و مبرہن ہو کہ وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر اپنا لوہا منوا سکے۔ اور سوسائٹی کے اعلیٰ طبقات اور ذہین عناصر میں اپنے ہم خیال لوگوں کا ایک مضبوط حصار یا مرکز (Nucleus) بنا سکے' اور دوسری جانب اس کی اپیل اتنی مؤثر اور عام فہم ہو کہ عوام الناس کے دلوں میں گھر کر سکے۔

یہ بات بظاہر مشکل بلکہ محال نظر آتی ہے' لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ' جیسے کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے' ہر انقلابی نظریئے کے دو پہلو ہوتے ہیں : ایک مابعد الطبیعیاتی اور دوسرا عمرانی' اور ان کے مابین ایک منطقی اور عقلی ربط موجود ہوتا ہے (یا ہونا چاہئے!) لہٰذا مابعد الطبیعیاتی سطح پر یہ نظریہ معاشرہ کے ذہین ترین لوگوں کے لئے قابل قبول ہونا چاہئے اور عمرانی سطح پر اس کی اپیل عام ہونی چاہئے! اور ان دونوں بظاہر "متضاد" تقاضوں کے پورے ہونے ہی پر انقلابی عمل کے آگے بڑھنے کا دارومدار ہوتا ہے۔

اس سے یہ بات بھی از خود واضح ہوجاتی ہے کہ اس کے باوجود کہ انقلاب کا اصل

مقصد عوام کی فلاح اور بہبود ہوتا ہے، کسی مثبت اور حقیقی انقلابی عمل میں اولاً خطاب سوسائٹی کے اعلیٰ طبقات سے کیا جاتا ہے، عوام سے نہیں! جبکہ اس کے برعکس کسی سیاسی مہم یا شورش میں سارا خطاب عوام سے ہوتا ہے اور ان کے بھی صرف "جذبات" کو بھڑکایا جاتا ہے تاکہ وہ بغاوت پر آمادہ ہوجائیں۔ (اور اسی طرح خالص مذہبی تبلیغی مشن میں بھی ساری توجہ معاشرہ کے پست اور گرے پڑے طبقات پر صرف کی جاتی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ "تعداد" میں لوگوں کے نام بدل کر اپنی کارگزاری کی شاندار رپورٹیں مرتب کی جائیں اور اس طرح کثیر مصارف اور بھاری "میزانیوں" یعنی بجٹ کا جواز فراہم کیا جاسکے)

۴) آخری اور چوتھی شرط، جو از خود ظاہر و باہر ہے، یہ کہ انقلابی نظریے کی نشرواشاعت تمام دستیاب ذرائع ابلاغ کو امکانی حد تک بروئے کار لا کر زیادہ سے زیادہ شدومد کے ساتھ اور وسیع سے وسیع تر حلقے میں ہونی ضروری ہے۔ اس لئے کہ جتنے وسیع حلقے تک ابلاغ کا حق ادا ہوگا اتنی ہی زیادہ تعداد میں پیشِ نظر انقلاب کے لئے کارکنوں اور "فدائیوں" کی فراہمی متوقع ہوگی۔

اس سلسلے میں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ کسی معاشرے میں جو سماجی، اقتصادی، اور سیاسی نظام (Politico Socio Economic System) قائم ہوتا ہے، حکومت وقت اس کی محافظ ہوتی ہے اور نہ صرف یہ کہ نظام کو جوں کا توں قائم رکھنے یعنی "Status.Quo" برقرار رکھنے کے لئے اس ساری قوت کو بروئے کار لاتی ہے جو فوج، پولیس، اور دیگر "قانون نافذ کرنے والے اداروں" کی صورت میں اسے حاصل ہوتی ہے، بلکہ وہ تمام ذرائع تعلیم و ابلاغ جو اس کے قبضہ و اختیار میں ہوتے ہیں ان کے ذریعے اس نظام کے فلسفیانہ اور اخلاقی جواز کا بھرپور پروپیگنڈا بھی کرتی ہے --- اب اگر اس کے مقابلے میں انقلابی قوتیں کم از کم "تو ڈال ڈال میں پات پات" کے درجہ میں بھی تمام ممکن الحصول ذرائع ابلاغ کو استعمال نہ کریں تو انقلاب کا برپا ہونا محال ہوگا!

اس تمہید کے بعد جب ہم اسلامی انقلاب کے اساسی فکر یا بنیادی انقلابی نظریئے پر

غور کرتے ہیں تو وہ صرف ایک لفظ یعنی "توحید" میں مضمر نظر آتا ہے' جو بیک وقت ایک عقیدہ بھی ہے اور فلسفہ بھی' اور ان دونوں حیثیتوں سے آگے بڑھ کر ایک ایسا عمرانی نظریہ بھی جو اجتماعیاتِ انسانیہ کے تینوں گوشوں یعنی سماجی اور معاشرتی' معاشی اور اقتصادی' اور سیاسی و ریاستی تینوں سطحوں پر عدل و قسط کی محکم اساس فراہم کرتا ہے --- یہ دوسری بات ہے کہ صدیوں کے زوال اور انحطاط کے باعث وہ یا تو ایک ایسا "عقیدہ" بن کر رہ گیا ہے جو صرف مذہبی تفرقہ کا موضوع ہے یا "ربط حادث بالقدیم" ایسے دقیق فلسفیانہ اور لاینحل مسائل اور ذات و صفات باری تعالیٰ کے متکلمانہ مباحث کا عنوان بن کر رہ گیا ہے جس کی بنا پر وحدت الوجود اور وحدت الشہود' جبر و قدر' اور ع "ہیں صفاتِ ذاتِ حق' حق سے جدا' یا عینِ ذات؟" ایسے لایعنی مباحث پیدا ہوئے جن کا حاصل کچھ نہیں --- چنانچہ اسی صورت حال کی بہترین تعبیر کی ہے علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں کہ ؎

"زندہ قوت تھی زمانے میں یہ توحید کبھی
اور اب کیا ہے فقط اک مسئلہ علمِ کلام!"

توحید کی "زندہ قوت" کے اصل مظاہر' ان لاحاصل مباحث کے برعکس جن کا ذکر اوپر ہوا' دو سطحوں پر نمایاں ہوتے ہیں یعنی:

(۱) **انفرادی سطح** پر بندۂ مومن اور "مرد حق" کی شخصیت اور سیرت و کردار کی تعمیر کے ضمن میں' جہاں حقیقی ایمان باللہ اور توحید پر واقعی یقین کے نتیجے میں منفی اعتبار سے خوف اور حزن سے نجات حاصل ہوتی ہے' اور مثبت اعتبار سے بندہ اور رب کے مابین صدق و صفا' تسلیم و رضا' صبر و توکل' اور تقویٰ و احسان کے اوصاف عالیہ پر مبنی باہمی اخلاص و اعتماد اور محبت و ولایت کا رشتہ قائم ہوتا ہے جس کے نتیجے میں بندۂ مومن "اللہ کا ہاتھ" اور "دست قضا کی شمشیر" کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور

(۲) **اجتماعی سطح** پر جہاں توحید ہی کی تین "فروع" (شاخیں) سماجی' اقتصادی اور سیاسی سطح پر عدلِ اجتماعی کے لئے محکم فکری اساس فراہم کرتی ہیں' جن کی کسی قدر

تفصیل ذیل میں درج ہے:

(I) سماجی اور معاشرتی سطح پر اس امرواقعی پر ایمان اور یقین کہ "تمام انسان ایک ہی اللہ کی مخلوق ہیں!" کامل انسانی مساوات، اور شرفِ انسانیت میں پوری نوعِ انسانی کی بلالحاظ رنگ و نسل، زبان و وطن، عقیدہ و خیال اور پیشہ و جنس مساوی شرکت کی ضمانت دیتا ہے۔ اور انسانوں کے مابین پیدائشی اونچ نیچ کے فرق، اور اعلیٰ و ادنیٰ، شریف و رذیل اور برتر و کمتر کے جملہ امتیازات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے! (واضح رہے کہ عورتوں پر مردوں کی "قوامیت" بھی صرف شوہر اور بیوی ہونے کے ناتے، خاندان کے ادارے کو منظم اور مستحکم کرنے کے پہلو سے ہے، اس بنا پر ہرگز نہیں کہ عورتیں شرفِ انسانیت کے اعتبار سے مردوں سے کم تر ہیں!)

اس ضمن میں یہ بات تو بادنیٰ تامل سمجھ میں آجاتی ہے کہ انسانی معاشرہ میں ظلم اور نا انصافی کی اس سے زیادہ مکروہ اور گھناؤنی صورت اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ کسی انسان کو پیدائشی طور پر نیچ اور گھٹیا قرار دے دیا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا جائے کہ تمہارے لئے اس پستی سے نجات اور کسی بلند مرتبہ و مقام کا حصول کم از کم موجودہ عرصۂ حیات میں تو ممکن ہی نہیں، خواہ تم کتنی ہی محنت اور کوشش کیوں نہ کرلو! --- لیکن اس حقیقت کا احساس و ادراک کم ہی ہوتا ہے کہ اس "امتیاز رنگ و خون" کا خاتمہ کتنا مشکل اور کٹھن کام ہے! اس لئے کہ پوری انسانی تاریخ گواہ ہے کہ یہ بات کہ "تمام انسان پیدائشی طور پر مساوی ہیں!" بیان کرنے میں جتنی سہل، اور عقل و فطرت کے نزدیک جتنی بدیہی اور مسلم نظر آتی ہے، واقعی اعتبار سے اتنی ہی "ناقابل قبول" اور مشکل الحصول ثابت ہوئی ہے۔ چنانچہ عہد حاضر کی تمام تر علمی و ذہنی ترقی کے باوجود، دنیا کی "عظیم ترین جمہوریت" یعنی بھارت کا تو ذکر ہی کیا، کہ وہاں کی تو عظیم اکثریت کے نزدیک انسانوں کے مابین پیدائشی اونچ نیچ کی تقسیم مذہبی اور سماجی تصورات کا جز و لاینفک ہے، لہٰذا آئے دن اعلیٰ اور ادنیٰ ذات کے ہندوؤں کے مابین خونریز فسادات ہوتے رہتے ہیں اور نچلی ذات کے ہندوؤں کی پوری پوری بستیاں جلا کر راکھ کردی جاتی ہیں، امریکہ کے حالیہ فسادات

نے تو دنیا کی مہذب ترین اور متمدن ترین قوم کی دو سو سالہ مساعی اور بلند بانگ دعاوی کا پول بھی کھول کر رکھ دیا ہے' اور ثابت کردیا ہے کہ صرف چمڑی کی رنگت کی بنا پر انسانوں کے مابین ناقابلِ عبور فاصلے حائل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ یہی وہ مقام ہے جہاں' جیسے کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے' ایچ جی ویلز جیسے شاتمِ رسول ؐ اور دشمن اسلام کو بھی بالکل گھٹنے ٹیکنے کے انداز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو "سلام" کرنا پڑا۔ اور یہ ماننا پڑا کہ "انسانی حریت' اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے تھے' چنانچہ مسیح ناصری ؑ کے یہاں بھی ایسے وعظ بکثرت مل جاتے ہیں' لیکن اس حقیقت کو مانے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان اصولوں پر' عملی اور واقعی طور پر' مبنی معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی بار قائم کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے!"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محیرا لعقول کارنامے کی اصل اساس تو عقیدۂ توحید کی فرعِ لازم یعنی "وحدتِ خالق" ہے۔ یعنی جب تمام انسانوں کا خالق ایک ہی ہے تو سب کا درجہ بھی مساوی ہے' لیکن اس "مساوات" میں "اخوت" کی چاشنی شامل کی ہے اور محبت کا رس گھول دیا ہے قرآن حکیم نے اس امرِ واقعی کے بار بار اعلان سے کہ پوری نوعِ انسانی ایک ہی جدِّ امجد یعنی حضرت آدم ؑ کی اولاد ہے' اور واقعہ یہ ہے کہ توحیدِ خالق کے ساتھ وحدتِ آدم کا یہ اضافی تصور نوعِ انسانی کے مابین جملہ نسلی اور پیدائشی امتیازات کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے سورۃ النساء کی پہلی آیت میں بھی نہایت پُرشکوہ انداز میں فرمایا: "اے لوگو! اپنے اس رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے تخلیق فرمایا اور اسی (کی نوع) سے اس کا جوڑا تخلیق کیا اور پھر ان دونوں سے کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کو (زمین میں) پھیلادیا!" اور اس سے بھی زیادہ فیصلہ کن انداز میں فرمایا سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۳ میں کہ: "اے انسانو! ہم ہی نے تم سب کو پیدا کیا (صرف) ایک مرد اور ایک عورت سے اور پھر تقسیم کردیا تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (لیکن یقین رکھو کہ) بلاشبہ تم میں

سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے بڑھ کر خدا ترس ہے!"
___ چنانچہ اسی وحدتِ خالق اور وحدتِ آدم کے عملی نتیجے کو بیان فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر انداز میں تو اپنے اس حکیمانہ فرمان میں کہ: "لوگو! سب اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ!" اور تفصیلی انداز میں اپنے خطبۂ حجۃ الوداع کے ان شہرۂ آفاق فرمودات میں جن کا لفظ بلفظ حوالہ دیا ہے خود ایچ جی ویلیز نے!!--- حاصلِ کلام یہ کہ یہی تعلیمات ہیں جو اہلِ ایمان کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہیں تو وہ کیفیت لازماً پیدا ہو جاتی ہے جس کا نقشہ کھینچا ہے علامہ اقبالؔ نے اپنے ان الفاظ میں کہ ؎

ناشکیبِ امتیازات آمدہ
در نہادِ اُو مساوات آمدہ

ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ع "ورنہ سفرِ حیات کا بے حد طویل تھا" کے مصداق نسلی اور پیدائشی برتری کے احساس کے خناس کو انسان کے ذہن و قلب سے نکالنا آسان کام نہیں ہے اور حضرت اکبر کے اس ظریفانہ لیکن نہایت عارفانہ شعر کے مطابق کہ ؎

"مذہب کی لیپ پوت سے دبتی نہیں ہے عقل
بس عشق ہی مٹاتا ہے اس کی کرید کو"

نسلی برتری کا یہ احساس نہ مذہبی ریفارمروں کے مواعظ سے ختم کیا جا سکتا ہے، نہ "ہیومنزم" ایسے بظاہر نہایت خوشنما لیکن کسی واقعی اور ٹھوس بنیاد سے محروم فلسفوں اور نظریوں سے! اور اس کا حقیقی اور مؤثر علاج اگر کوئی ہے تو وہ صرف توحیدِ خالق اور وحدتِ آدم پر گہرے یقین میں مضمر ہے۔

(II) عقیدۂ توحید کی دوسری انقلاب آفریں فرع "صرف اللہ کی حاکمیت" کا اصول ہے جس سے انسانی حاکمیت کے جملہ تصورات کی جڑ کٹ جاتی ہے اور انسانوں کے مابین "تمیزِ بندہ و آقا" اور "رشتۂ حاکم و محکوم" کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ع "نے کوئی فغفور و خاقاں، نے گدائے رہ نشیں!" کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

اگرچہ نظری اعتبار سے یہ بات معقول نظر آتی ہے کہ سیاسی اور قانونی مساوات کی

اس مطلوبہ کیفیت کا حصول اور انسانوں کے مابین بندہ و آقا اور حاکم و محکوم کے فرق و امتیاز کا خاتمہ "حاکمیتِ عوام" کے نظریئے کے تحت بھی ممکن ہے، لیکن عملی اعتبار سے واقعہ یہ ہے کہ آج تک نوعِ انسانی نے اس "حاکمیتِ عوام" کے خوشنما اور دلپذیر نعرے کی آڑ میں یا "سرمایہ داروں کی آمریت" کے عذاب کا مزہ چکھا ہے یا "پارٹی ڈکٹیٹرشپ" کی لعنت کا! گویا ۔

"دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری"

کے مصداق عوامی حاکمیت کے پردے میں کوئی نہ کوئی طبقہ یا ادارہ حاکم بن کر بیٹھ جاتا ہے اور جبرواستبداد کے شجرۂ خبیثہ کی جڑ صرف اسی طرح کٹ سکتی ہے کہ انسان کے دماغ سے "حاکمیت" کا خناس بھی بالکل نکال باہر کیا جائے اور حاکمیت کو اللہ ہی کے لئے خالص کردیا جائے۔ اس لئے کہ حاکمیت کے ساتھ قانون سازی کا اختیار لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے اور فروعات اور تفاصیل سے قطع نظر، انسان اگر اپنے لئے بنیادی قوانین بھی خود وضع کرے تو خواہ یہ انفرادی سطح پر ہو جیسے ملوکیت میں ہوتا ہے، خواہ اجتماعی سطح پر جیسے نام نہاد جمہوریت میں ہوتا ہے، اس میں "جانبداری" لامحالہ پیدا ہوجائے گی اور جس طبقے کو بھی بالفعل بالادستی حاصل ہوگی وہ اپنے مفادات اور مصلحتوں کو لازماً مقدم رکھے گا۔ چنانچہ اگر ایک حالت میں ع "انتہائے سادگی سے کھاگیا مزدور مات" کا نقشہ نظر آئے گا تو دوسری کیفیت میں ع "طریقِ کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی" کی صورت نظر آئے گی۔ وَقِس علیٰ ذالک اور ع "علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی" کے مصداق اس کا واحد علاج یہی ہے کہ توحید کی ضربِ ابراہیمیؑ سے انسانی حاکمیت کے اس بت ہی کو پاش پاش کردیا جائے۔ چنانچہ یہی بات فرمائی قرآن نے بار بار مختلف الفاظ و اسالیب کے ذریعے، مثلاً سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۴۰ میں فرمایا: "حاکمیت اللہ کے سوا کسی کے لئے (روا) نہیں ہے" (جس کی بہترین تعبیر علامہ اقبال نے ان الفاظ میں کی ہے کہ ۔

"سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بےہمتا کو ہے ۔ حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!"

اور سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں فرمایا : "حکومت میں اس کا کوئی ساجھی نہیں ہے" اور سورۃ الکھف کی آیت ۲۶ میں فرمایا : "وہ اپنے اختیارِ حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔"

انسان سے حاکمیت کی مطلق نفی کا منطقی اور عملی نتیجہ یہ ہے کہ انسان "خلافتِ الٰہی " اور نیابتِ حق کے مقام و مرتبہ پر فائز ہے' اور خلافت کے مضمرات اور مقدرات پر چونکہ ان کالموں میں حال ہی میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے لہٰذا اس موضوع پر اب تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔

(III) عقیدۂ توحید کی تیسری انقلاب آفریں فرع یہ ہے کہ حاکمیتِ مطلقہ کی طرح ملکیتِ تامہ کا حق بھی صرف اللہ کو حاصل ہے اور جس طرح انسان سیاسی اور قانونی سطح پر صرف "خلیفہ" ہے اسی طرح مالی اور اقتصادی سطح پر بھی صرف "امین" ہے جو اپنی زیرِ تحویل امانتوں میں صرف مالکِ حقیقی کی منشأ اور اجازت کے مطابق "تصرّف" کا حق رکھتا ہے۔ گویا جس حقیقتِ کبریٰ کو اب سے سینکڑوں برس قبل شیخ سعدیؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ ۔ "ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست ۔ در حقیقت مالکِ ہر شے خداست" اور جس کی مختصر اور حسین تر تعبیر تو کی ہے علامہ اقبال نے ان الفاظ میں کہ ع "بندۂ مومن امیں' حق مالک است" اور واضح تر اور "فاش تر" انداز میں بیان کیا ہے اپنی حیاتِ مستعار کے آخری دور کے ان اشعار میں کہ ۔

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں' اللہ کی ہے یہ زمیں !

اور ع "یہ سب کیا ہیں فقط اِک نقطۂ ایماں کی تفسیریں!" کے مطابق عقیدۂ توحید ہی ایک فرع ہے جس کے طرزِ فکر اور زاویۂ نگاہ میں وہ عظیم انقلاب برپا ہو جاتا ہے جو اسلامی انقلاب کی لازمی شرط ہے! رہا واقعاتی اعتبار سے اس امر کا جائزہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنی انقلابی دعوت کو کس ترتیب اور کن طریقوں سے عام کیا اور آپؐ کی دعوت کا عمومی منہاج کیا تھا تو اس کے ضمن میں بھی حسب ذیل وضاحتیں ضروری ہیں:

۱۔ آنحضورؐ کی دعوت و تبلیغ کا بنیادی منہاج مذہبی اور مشنری انداز کا نہیں بلکہ انقلابی تھا۔ ان دونوں کے مابین فرق و تفاوت عالمِ نباتات میں درختوں اور بیلوں کے حوالے سے باآسانی سمجھا جاسکتا ہے، یعنی جس طرح بیل زمین پر پھیلتی چلی جاتی ہے اوپر نہیں اٹھتی جبکہ درخت سیدھا اوپر کی جانب بڑھتا ہے اور ایک خاص بلندی تک پہنچنے کے بعد اپنی شاخوں اور ڈالیوں کے ذریعے اِدھر اُدھر پھیل کر زمین پر سایہ فگن ہوتا ہے اسی طرح مذہبی تبلیغ اور مشنری ورک بھی ابتدا ہی سے اطراف و جوانب میں پھیلاؤ کی کوشش کرتا ہے اور صرف لوگوں کے عقائد اور ذاتی اور انفرادی افعال و اعمال میں تبدیلی لاتا ہے، کبھی "اوپر" کی جانب متوجہ ہوکر رائج و غالب نظام کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتا، جبکہ اس کے برعکس انقلابی دعوت اپنی پوری توجہ ایک مقام یا علاقہ پر مرکوز رکھتی ہے اور اس کا اصل ہدف "اوپر" کا نظام ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر اسے کامیابی حاصل ہوجائے تو وہ اس خطۂ زمین کے نظامِ اجتماعی کو تبدیل کرنے یا بالفاظ دیگر انقلاب برپا کرنے کے بعد اطراف و جوانب میں "توسیع" کی جانب متوجہ ہوتی ہے۔ لہٰذا سیرتِ نبویؐ کا یہ پہلو قابلِ توجہ ہے کہ آنحضورؐ نے پورے دس برس تک اپنی دعوت و تبلیغ کو مکہ اور اس کے قرب و جوار میں مرکوز رکھا اور باہر کا قصد یعنی طائف کا سفر صرف اس وقت کیا جب سن دس نبوی میں مکہ کی پارلیمنٹ (دارالندوہ) میں آپؐ کے قتل کا ریزولیوشن پاس ہوگیا۔ اسی طرح اگرچہ مکی دور کے آغاز میں آپؐ کے پاس حضرت خدیجہؓ کی دولت و ثروت کی بناء پر وسائل کی کوئی کمی نہ تھی اور آپؐ چاہتے تو جیسے ہی آپؐ نے مکہ میں اعلانِ نبوت فرمایا تھا اردگرد کے ملوک و سلاطین کی جانب ایلچی بھیج دیتے اور دعوت نامے ارسال فرما دیتے لیکن سب جانتے ہیں کہ یہ کام آپؐ نے اُس وقت تک کے لئے مؤخر رکھا جب صلح حدیبیہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اندرونِ ملکِ عرب "فتح مبین" عطا فرما دی جو انقلاب کی تکمیل کا پیش خیمہ تھی۔ فصلی اللہ علیہ وسلم!

۲- اسی طرح انقلابی دعوت کی یہ خصوصیت بھی آپؐ کے طرزِ عمل میں صاف نظر آتی ہے کہ آپؐ نے خطاب میں اولیت سوسائٹی کے اعلیٰ طبقات کو دی۔ چنانچہ سب سے پہلے ایمان لانے والے "السابقون الاولون" میں خصوصاً "عشرہ مبشرہ" سب کے سب قریش کے اعلیٰ خاندانوں اور معاشرہ کے بالادست طبقے سے تعلق رکھتے تھے' تاہم یہ حقیقت آپؐ کی سیرت نگاروں کی نگاہوں سے آپؐ کی مکہ کی دس سالہ تبلیغ کے ضمن میں مخفی رہی ہو تب بھی طائف کی تو ایک روزہ تبلیغ نے اسے بالکل روزِ روشن کی طرح عیاں کردیا کہ آپؐ نے وہاں نہ عوامی تبلیغ فرمائی نہ گلیوں میں "منادی" کی بلکہ صرف تین چوٹی کے سرداروں سے ملاقات کرکے اپنی دعوت پیش فرمائی۔

۳- رہیں تبلیغ کی عملی اور تفصیلی صورتیں تو ان کے ضمن میں بھی ایک جانب یہ حقیقت ظاہر و باہر ہے کہ آپؐ نے دعوت میں فطری تدریج اختیار فرمائی چنانچہ پہلے اپنے گھر والوں سے آغاز فرمایا' پھر دعوت و تبلیغ کا دائرہ تدریجاً احباب اور اعزہ و اقارب تک وسیع کیا اور بالآخر دعوتِ عام کی صورت اختیار فرمائی۔ اور دوسری جانب یہ حقیقت بھی قابلِ توجہ ہے کہ اگرچہ آپؐ نے اپنی اصل توجہ ذاتی رابطے اور انفرادی ملاقاتوں پر مرکوز رکھی تاہم آپؐ نے دوسرے تمام ممکنہ طریقوں کو بھی اختیار فرمایا۔ مثلاً (I) اِس حکم ربانی پر کہ "اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کرو!" (سورۃ الشعراء آیت ۲۱۴) آپؐ نے اس طرح عمل فرمایا کہ دو مرتبہ خاندانِ بنی ہاشم کو دعوتِ طعام پر مدعو فرماکر انہیں کھانا کھلانے کے بعد اپنا پیغام پیش فرمایا (II) اسی طرح اس فرمان الٰہی پر کہ "جس بات کا تمہیں حکم ہوا ہے اسے ڈنکے کی چوٹ بیان کرو" (سورۃ الحجر آیت ۹۴) آپؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو پکارا اور گویا اپنا پہلا جلسۂ عام منعقد فرمایا (III) اسی طرح گلی کوچوں میں توحید کی منادی کی عملی صورت بھی آپؐ نے اختیار فرمائی (IV) اسی طرح ایک بار آپؐ نے "اجتماعی مظاہرہ" کی صورت بھی اختیار کی جب اپنے رفقاء کی معیت میں اجتماعی گشت کرتے ہوئے توحید کا باآوازِ بلند اعلان کیا اور (V) سب سے بڑھ کر یہ کہ معاشرے میں مروج جملہ مذہبی' سماجی حتیٰ کہ تفریحی اجتماعات کا بھی آپؐ نے اپنی دعوت اور تبلیغ کے لئے بھرپور

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

تیرھواں کبیرہ

زکوٰۃ ادا نہ کرنا

مؤلف: ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

انسان کو دولت اس کے علم، تجربے، عقل یا خاندان کی بنیاد پر نہیں ملتی، بلکہ یہ خالصتہً اللہ تعالےٰ کی تقسیم ہے، جس کا مقصد غریب کو اس کی غریبی میں رکھ کر اور امیر کو مال و دولت دے کر آزمانا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ[1] ۝

"مگر انسان کا یہ حال ہے کہ اُس کا رب جب اُس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اسے عزت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے ربّ نے مجھے عزت دار بنا دیا اور جب وہ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اُس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔"

چنانچہ غریبی اور امیری دونوں ہی اللہ تعالےٰ کی طرف سے امتحان کی صورتیں ہیں۔ غریبی کا امتحان خاصا سخت ہے، لیکن امیری کا امتحان کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ یعنی دنیا میں ہر وقت مال جمع کرنے یا اسے ضائع ہونے سے بچانے کی پریشانی اور آخرت میں زیادہ لمبے حساب کتاب کا معاملہ جس کی وجہ سے نیک اور متقی مالدار غریب جنتیوں سے پانچ سو سال بعد جنّت میں داخل ہو سکیں گے۔ اسی لیے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فقر اختیاری کو ترجیح دی، اور آپ مسلسل یہ دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَ اَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ

---

[1] سورت الفجر، آیات ۱۵-۱۶۔

زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[1]

"اے اللہ مجھے زندگی میں غریب ہی رکھیے اور غریبی میں ہی موت آئے اور قیامت کے روز

غریبوں کے ساتھ ہی میرا حشر ہو"

ہوا، پانی اور سورج کی روشنی کی طرح مال و متاع دنیا تمام انسانوں پر یکساں تقسیم نہیں ہوا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام سابقہ شریعتوں میں اور شریعتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی، اہل ایمان پر نماز کے بعد زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے۔ قرآن کریم نے متعدد انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مفصل حالات بیان کرنے کے بعد زکوٰۃ کو خصوصی اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ فرمایا:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ۔[2]

"اور ہم نے اُن (یعنی سابقہ آیات میں مذکور انبیاء و رسل کو) امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے راہنمائی کرتے تھے۔ اور ہم نے انہیں وحی کے ذریعے نیک کاموں کی اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی"۔

اور تمام اہلِ کتاب کو سختی سے حکم دیا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرنی ہے، نماز قائم کرنے کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا بھی ضرور اہتمام کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَاۗءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝[3]

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الزہد، باب ما جاء ان فقراء المهاجرين يدخلون . . . سنن البيهقی کتاب الصدقات باب مايستدل به على ان الفقير . . . ۱۲/۷۔ امام الحدیث شیخ الالبانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو ارواء الغلیل حدیث ۸۶۱۔

[2] سورت الانبیاء، آیت ۷۳۔ [3] سورت البینۃ، آیات ۴-۵۔

"جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں تفرقہ نہیں ہوا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس (راہِ راست کا) بیان واضح آچکا تھا۔ اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے بالکل یک سُو ہو کر ____ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں یہی نہایت صحیح اور درست دین ہے۔"

امّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اسی طرح زکوٰۃ فرض کی گئی جس طرح سابقہ امتوں پر فرض تھی، اگرچہ شرح زکوٰۃ ہر امت کے لیے علیحدہ علیحدہ رہی۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" کے فوراً بعد "اٰتُوا الزَّکٰوۃَ" کا حکم ہے۔ متعدد فوائد و مصالح کے پیشِ نظر زکوٰۃ فرض قرار دی گئی جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

ا۔ زکوٰۃ کے ذریعے تقسیم اموال کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس لیے دیا ہے تاکہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔ فرمایا:

کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ [۱]

"تاکہ وہ (سرمایہ) تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔"

ب۔ اگر سرمایہ چند مخصوص لوگوں کے ہاتھوں میں رہے یا صرف انہی کی اس پر اجارہ داری ہو تو نتیجۃً امیر، امیر تر ہوتا چلا جائے گا اور غریب غریب تر، اس طرح معاشرے میں معاشی لحاظ سے دو علیحدہ علیحدہ طبقے جنم لیں گے جو ایک دوسرے کے مدِّمقابل اور دشمن ہوں گے۔ بالآخر ایسا معاشرہ اقتصادی بحران کا شکار ہو کر تباہ ہو جائے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ [۲]

"اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

۱۔ سورت الحشر آیت ۷۔ اصلاً اس آیت کا نزول مالِ فئ (یعنی جو مال بغیر لڑائی کے مسلمانوں کے ہاتھ لگے) کی تقسیم کے سلسلے میں ہوا ہے، مگر یہی فائدہ مال زکوٰۃ کی تقسیم کا بھی ہے۔

۲۔ سورت البقرۃ، آیت ۱۹۵۔

ج۔ زکوٰۃ اداکرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان کے دل سے مال کی پوجا اور اس کی اندھی محبت ختم ہوجاتی ہے۔زکوٰۃ ادا کرنے والے کا دِل سیم وزر کا غلام بننے کی بجائے پاک صاف ہوجاتا ہے اور اس میں اطاعتِ خداوندی کے علاوہ خدمت انسانیت کے اعلیٰ واشرف اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔[1]

"اے نبی! تم اِن کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ"

جب زکوٰۃ کا معاملہ اس قدر اہم اور مفید ہے تو شریعتِ محمدیؐ میں اس کو ایک خاص حیثیت ومقام دیتے ہوئے فرض قرار دیا گیا ہے۔اسلام کی پانچ معروف بنیادوں میں سے تیسری بنیاد زکوٰۃ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔[2]

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے (۱) لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ اداکرنا (۴) بیت اللہ کا حج کرنا (۵) رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

جو مسلمان ازخود پابندی سے زکوٰۃ اداکرتا رہے اس کی جان اور مال اسلامی حکومت میں ہر طرح سے محفوظ ہے' ورنہ اس سے زبردستی زکوٰۃ وصول کی جائے گی، خواہ اس کی خاطر جنگ کرنی پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] سورت التوبۃ، آیت ۱۰۳

[2] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی بنی الاسلام علی خمس۔
صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ارکان الاسلام۔

أُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ[1]

"مجھے حکم ملا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ توحید و رسالت کا اقرار کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جب وہ ان کاموں کی پابندی کرنے لگ جائیں تب ان کی جانیں اور ان کے مال مجھ سے محفوظ ہیں۔ ہاں مگر اسلام کے کسی حق کی وجہ سے (یعنی اگر کسی نے کوئی ایسا جرم کیا جس کی وجہ سے اُس کی جان و مال خطرے میں پڑ جاتے تو یہ اور بات ہے) اور اُن کا حساب اللہ کے ذمہ ہے"

خلافت صدیقی میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بے مثال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن کے خلاف اعلانِ جہاد کر دیا اور فرمایا:

وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا[2]

"یعنی جو بکری کا بچہ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کیا کرتے تھے اگر مجھے نہ دیا تو قسم بخدا میں اس بکری کے بچے کی خاطر بھی اُن سے جنگ کروں گا"

سنن النسائی' کتاب الزکوٰۃ' باب اثم مانع الزکوٰۃ میں "عَنَاقًا" کے بجائے "عِقَالًا" کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "رسّی"۔

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الایمان ' باب فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ
صحیح مسلم' کتاب الایمان باب الامر بقتال الناس . . . . .

[2] صحیح بخاری' کتاب الزکوٰۃ ' باب وجوب الزکوٰۃ۔
صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ

اور اگر کوئی مسلمان زکوٰۃ کا انکار تو نہیں کرتا لیکن ادائیگی میں کوتاہی یا سستی کا مظاہرہ کرتا ہے تو علماء کرام کی ایک جماعت نے درج ذیل حدیث کی روشنی میں اس پر جرمانہ تجویز کیا ہے، تاکہ آئندہ وہ خود یا کوئی دوسرا ایسی حرکت نہ کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

مَنْ مَنَعَهَا فَاِنَّا آخِذُوْهَا وَ شَطْرَ اِبِلِهٖ عَزْمَةٌ مِنْ عَزَمَاتِ رَبِّنَا[1]

"جس نے زکوٰۃ ادا نہ کی ہم اس سے زبردستی لیں گے اور (بطور جرمانہ) اس کے آدھے اونٹ بھی لیں گے یہ ہمارے ربّ کا اٹل فیصلہ ہے۔"

زکوٰۃ روکنے والا جہاں معاشی تباہی کا سبب بنتا ہے، اپنے مال کو پاک نہیں کرتا، اور سرمائے کی گردش میں رکاوٹ بنتا ہے وہاں عام مخلوق خدا بھی اس کی شامتِ اعمال کی نحوست سے بارش جیسی عظیم نعمتِ خداوندی سے محروم رہتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَمْ يَمْنَعُوا زَكٰوةَ اَمْوَالِهِمْ اِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا[2]

"اور جب کسی قوم نے زکوٰۃ روک لی تو آسمان سے ان کے لیے بارش روک دی گئی اور اگر جانور نہ ہوں تو ایک قطرہ بھی بارش کا نہ برسے۔"

جو آدمی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اس کے دوسرے اعمال بھی قبول نہیں ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکوٰۃ السائمۃ۔ سنن النسائی، کتاب الزکوٰۃ، باب عقوبۃ مانع الزکوٰۃ۔ المستدرک للحاکم، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ البقر۔ امام حاکم اور امام ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔ سنن البیہقی، کتاب الزکوٰۃ، باب ما ورد فیمن کتمہ۔ شیخ الحدیث علامہ الالبانی نے حسن قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو ارواء الغلیل حدیث ۷۹۱۔

[2] سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات حدیث ۴۰۱۹۔ المستدرک للحاکم، کتاب الفتن والملاحم، باب ذکر خمس بلاء، امام حاکم اور امام ذہبی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ الالبانی کی بھی یہی رائے ہے۔ صحیح الجامع حدیث ۷۹۷۸۔

رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے:

أُمِرْتُمْ بِإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَمَنْ لَمْ يُزَكِّ فَلَا صَلَاةَ لَهٗ[1]

"تمہیں نماز اور زکوٰۃ دونوں کا حکم ملا ہے۔ جو زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی نماز بھی قبول نہیں"

یہ اگرچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے۔ لیکن اس کی بنیاد درج ذیل حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی لمبا سفر طے کر کے آتا ہے، غبار میں اَٹا ہوا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے اور اپنی التجائیں پیش کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ جبکہ اس کا کھانا حرام کا، پینا حرام کا، لباس حرام کا اور ساری غذا ہی حرام سے حاصل ہو رہی ہے"[2]۔

عین یہی معاملہ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے کا ہے، کیونکہ جب تک وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اس کے مال میں ایک حصہ حرام کا شامل ہے اور اسی مال سے اس کی ضروریاتِ زندگی پوری ہو رہی ہیں۔ لہٰذا اس کی کوئی نیکی یا عبادت حتیٰ کہ دعا بھی قبول نہ ہو گی۔ تجربے کی بات یہ ہے کہ حرام کھانے والوں اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو بظاہر دنیا میں ٹھاٹھ باٹھ یا کرّوفر تو ضرور مل جاتا ہے لیکن اُن کے اندر جھانک کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس دُنیا میں ہی جہنم میں زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ دُنیا تو ہر انسان کی کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جائے گی البتہ یہاں سے کوچ کرنے کے بعد کل قیامت کو زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو جن حالات سے واسطہ پیش آئے گا اس کا نقشہ قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے۔ فرمایا:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ[3]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۳، ص ۱۱۴، مجمع الزوائد للہیثمی، ج ۳، ص ۶۲۔ امام ہیثمی نے اس قول کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ کتاب الاموال، ابو عبید، ص ۴۴۳۔

[2] صحیح مسلم۔ حدیث مکمل الفاظ، ترجمے اور تخریج کے ساتھ کبیرہ ۶ میں گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

[3] سورت آلِ عمران، آیت ۱۸۰۔

"جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی اُن کے لیے اچھی ہے۔نہیں' یہ اُن کے حق میں نہایت بُری ہے۔جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں' وہی قیامت کے روز اُن کے گلے کا طوق بن جائے گا"

یہ مال و دولت کے طوق زینت یا نمائش کے لیے نہیں' بلکہ سزا اور شدید ذلّت کی خاطر انہیں پہنائے جائیں گے۔جن لوگوں نے اپنا مال و دولت چھپا چھپا کر رکھا اور اس کی زکوٰۃ نہ ادا کی اُن کا سرمایہ کس کس شکل میں نمودار ہو گا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل فرمان سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔فرمایا:

وَلَا صَاحِبِ كَنْزٍ لَا يَفْعَلُ فِيهِ حَقَّهُ اِلَّا جَاءَ كَنْزُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ يَتْبَعُهُ فَاتِحًا فَاهُ فَاِذَا اَتَاهُ فَرَّ مِنْهُ فَيُنَادِيهِ خُذْ كَنْزَكَ الَّذِي خَبَأْتَهُ فَاَنَا عَنْهُ غَنِيٌّ فَاِذَا رَاٰى اَنْ لَا بُدَّ مِنْهُ سَلَكَ يَدَهُ فِي فِيهِ فَيَقْضَمُهَا قَضْمَ الْفَحْلِ۔[1]

"اور جو کوئی کنز والا (شریعت کی نگاہ میں ہر وہ مال کنز ہے جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے' خواہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ) اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا قیامت کے روز اس کا کنز (جمع شدہ مال) انتہائی خوفناک اور (کثرت وشدّتِ زہر کی وجہ سے) گنجے سانپ کی شکل میں ظاہر ہو گا۔جبڑا کھولے ہوئے مال کے مالک کا پیچھا کرے گا اور جب اس کے قریب پہنچے گا تو وہ مال والا اس سے بھاگے گا۔اور سانپ اسے پکار کر کہے گا: "اپنا محفوظ خزانہ تو وصول کر لو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے"۔ بالآخر جب وہ مالدار دیکھے گا کہ اس بلا سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں تو اپنا ہاتھ اس کے منہ میں ڈال دے گا اور وہ سانپ اونٹ کی طرح اسے چبا ڈالے گا"

اور ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت آل عمران کی مذکورۃ الصدر آیت کی تفسیر ان الفاظ میں بیان فرمائی:

---

[1] صحیح مسلم' کتاب الزکوٰۃ' باب اثم تارک الزکوٰۃ۔

مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهُ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلَهْزِمَتَيْهِ يعنى شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ : اَنَا مَالُكَ ، اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الخ﴾ آل عمران ۱۸۰ [1]

"جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا، پھر اس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی قیامت کے روز اس کا یہ مال خطرناک اور زہریلے سانپ کی شکل اختیار کرلے گا جو (کثرت و شدتِ زہر کی وجہ سے) گنجا ہوگا اس کی دو زبانیں ہوں گی۔ روزِ قیامت مال والے کے گلے میں طوق کی شکل میں لپٹ جائے گا اور اسے اپنے دونوں جبڑوں میں دبوچ کر کہے گا: 'میں تیرا مال ہوں اور میں تیرا خزانہ ہوں'۔ یہ فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت آل عمران کی آیت ۱۸۰ تلاوت فرمائی:

"وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ ۔۔۔۔۔ الخ"

نقد سرمائے کے بجائے جن لوگوں کے پاس مال مویشی ہوں اور انہوں نے اُن میں سے اللہ کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہیں کیا، اُن کے اُوپر کیا کچھ بیتے گی اس کا منظر درج ذیل حدیث میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَلَا يَأْتِي اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِشَاةٍ يَحْمِلُهَا عَلٰى رَقَبَتِهِ لَهَا يُعَارٌ فَيَقُوْلُ : يَا مُحَمَّدُ ، فَاَقُوْلُ : لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا ، قَدْ بَلَّغْتُ ، وَلَا يَأْتِي بِبَعِيْرٍ يَحْمِلُهُ عَلٰى رَقَبَتِهِ لَهُ رُغَاءٌ فَيَقُوْلُ : يَا مُحَمَّدُ ، فَاَقُوْلُ : لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ بَلَّغْتُ [2]

"ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ کل قیامت کے دن تم میں سے کوئی اپنی گردن پر بکری اٹھائے چلا آتے اور

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب اثم مانع الزکوٰۃ۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب اثم مانع الزکوٰۃ۔

وہ لیا رہی ہو وہ مجھ سے شفاعت کی درخواست کرے اور میں صاف صاف کہہ دوں : اب میرے بس میں کچھ نہیں۔ میں تم کو ہر بات پہنچا چکا۔ اور نہ ہی کوئی اپنی گردن پر اونٹ لادے چلا آئے اور وہ بلبلا رہا ہو' وہ مجھ سے سفارش کے لیے کہے اور میں صاف صاف کہہ دوں : میں تیرے کسی کام نہیں آسکتا' میں تم کو ہر بات پہنچا چکا "

اپنے اپنے جرم یا دیگر حالات کی وجہ سے اگر کچھ لوگوں کے مال کو زہریلے اور گنجے سانپ کی شکل دے کر ان کی گردنوں میں ڈال دیا جائے گا تو کچھ دوسرے مجرموں کو ان کا اپنا ہی مال دوزخ میں تپا تپا کر داغا جائے گا۔ اونٹ، گائے اور بکری کے جو مالکان زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے اپنے جانور انہیں پاؤں تلے روند کچل رہے ہوں گے اور سینگوں سے زخمی کر رہے ہوں گے۔ یہ سب تفصیلات قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جابجا مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝[1]

"دردناک سزا کی خوشخبری دو اُن کو جو سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں' پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو"

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں مشہور مفسر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "داغ دیتے وقت دینار کو دینار پر یا درہم کو درہم پر چڑھا کر تہہ در تہہ نہیں رکھا جائے گا، بلکہ زکوٰۃ نہ دینے والے کی

---

[1] سورۃ التوبۃ' آیت ۳۴۔ ۳۵

چمڑی کو چوڑا کر کے ایک ایک دینار اور ایک ایک درہم کو علیحدہ علیحدہ رکھا جائے گا"[1]

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو قیامت کے روز کن کن حالات سے واسطہ پڑے گا اس کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی:

مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ ...
وَلَا صَاحِبِ إِبِلٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا ....
وَلَا صَاحِبِ بَقَرٍ وَلَا غَنَمٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا .... الخ[2]

"جو کوئی سونے والا یا چاندی والا اس کا حق یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو جب قیامت کا دن ہوگا تو اس سونے چاندی کو بڑی بڑی چادروں کی شکل میں ڈھال دیا جائے گا، پھر جہنم میں اس کے اوپر آگ دہکائی جائے گی۔ پھر زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کے پہلو کو، پیشانی کو اور پیٹھ کو ان سے داغا جائے گا اور جب وہ ٹھنڈی ہو جائیں گی تو انہیں دوبارہ دہکا لیا جائے گا۔ پچاس ہزار سال والے دن (یعنی قیامت اور حشر) میں یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا، یہاں تک کہ انسانوں کے فیصلے نمٹ جائیں گے۔ بالآخر وہ اپنا راستہ جنت کی طرف پائے گا یا جہنم کی طرف"۔

ایک صحابی نے سوال کیا: یا رسول اللہ! اونٹوں والے کا کیا بنے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اور جو اونٹ والا اپنے اونٹوں کا حق ادا نہ کرے، اور ان کے حقوق میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جس روز پانی پلایا جائے اسی روز دودھ بھی نکال لیا جائے، تو جب قیامت کا روز ہوگا اسے اونٹوں کے سامنے کھلے چٹیل میدان میں ڈال دیا جائے گا، وہ پہلے سے زیادہ موٹے تازے ہوں گے، ان میں سے ایک چھوٹا بچہ بھی کم نہ ہوگا، وہ اپنے کھروں سے مالک کو روند رہے ہوں گے اور اپنے منہ سے اسے کاٹ رہے ہوں گے، جب آخری جانور کی باری مکمل ہو جائے گی تو دوبارہ

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی۔ امام منذریؒ نے سند کو صحیح قرار دیا ہے۔
[2] صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اثم مانع الزکوٰۃ۔

پہلا آجائے گا۔ پچاس ہزار سال والے دن میں یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا' یہاں تک کہ انسانوں کے فیصلے نمٹ جائیں گے۔ اس کے بعد وہ اپنا راستہ اختیار کرے گا جنت کی طرف یا جہنم کی طرف"

سوال ہوا: یا رسول اللہ! گائے اور بکری والے کا کیا بنے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو گائے یا بکری والا اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو جب قیامت کا دن ہوگا، کھلے چٹیل میدان میں مالک کو اپنے جانوروں کے سامنے پھینک دیا جائے گا۔ کوئی ایک جانور بھی اُن میں سے کم نہ ہوگا، اِن گائے اور بکریوں میں نہ کوئی مُڑے سینگ والا ہوگا، نہ کوئی بے سینگ ہوگا اور نہ کسی کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں گے۔ یہ جانور اپنے تیز اور سیدھے سینگوں سے اسے ٹکریں ماریں گے اور اپنی چوڑیوں سے اسے روندتے ہوئے گزریں گے۔ جب آخری جانور کی باری مکمل ہوجائے گی تو دوبارہ پہلا جانور آجائے گا۔ پچاس ہزار سال والے دن میں یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب لوگوں کے فیصلے نمٹ جائیں گے پھر یہ آدمی اپنا راستہ دیکھے گا جنت کی طرف یا جہنم کی طرف"

یعنی اگر روزِ محشر میں ملنے والی یہ سزا اس کے جُرم کے اعتبار سے کافی سمجھی گئی اور اس کے ذمے کوئی دوسرا قصور بھی نہ ہوا تو وہ جنت میں پہنچ جائے گا، ورنہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے حوالۂ جہنم کر دیا جائے گا۔

بقیہ: چہرے کا پردہ اور اسلام

حضرات ذرا اس نکتہ پر توجہ فرمائیں اور غور کریں کہ ان کی اس سوچ کی زد کہاں پڑتی ہے
ع ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں! حقیقت یہ ہے کہ جب ازواجِ مطہرات کو پردے کا حکم دیا جارہا ہے تو دوسری عورتوں کے لئے یہ حکم بطریق اولیٰ ضروری ہے' اس لئے کہ ان سے فتنے کا اندیشہ کہیں زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم کے احکام کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین!!

عزیمتِ دعوت

مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک اہم تالیف "تذکرہ" سے ماخوذ

تلخیص و تدوین : ڈاکٹر محمد عثمان

یہ تو اوائل کا حال تھا۔ عہدِ متاخرین میں دیکھو تو ظہورِ عزیمتِ دعوت کی بوالعجبیوں کا ہمیشہ ایسا ہی حال رہا۔ آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں جب حضرت شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہؒ کے وجودِ مبارک کا ظہور ہوا اور عہدِ اواخر کے تمام مسالک و دعوت و تجدید کی ریاست و فاتحیہ اور قطبیت و مرکزیت کا مقام اس مجددِ اعظم کے سپرد کیا گیا' تو کیا اُس زمانے میں بجز شیخ الاسلام ممدوح کے اور کوئی عالم حق نہ تھا؟ تاریخ اسلام میں اس عہد کی جس قدر تفصیلات ملتی ہیں کسی عہد کی نہیں ملتیں۔ اگرچہ عربی خلافت کے بکلی اختتام اور فتنہ عظیمہ یا جوج ماجوج (تاتار اور تفرقِ مذاہب' تشتتِ جماعت و شیوعِ بدعات و احاطہ تقلید و سدباب نظر و اجتہاد کے مفاسد و مصائب اس زمانے میں پوری طرح ظہور کر چکے تھے اور مسلمانوں کے علمی و عملی تنزل کا بیج اچھی طرح بار آور ہو چکا تھا' بایں ہمہ ائمہ دین اور کاملینِ علوم کی ایک جماعتِ کثیرہ ہر حصۂ ملک میں موجود تھی' بایں ہمہ یہ حقیقت سورج کی طرح چمک رہی تھی اور ہر صاحبِ بصارت پر روشن تھا کہ مقامِ عزیمتِ دعوت کا جو ایک مقام خاص ہے وہ ان میں سے کسی کے حصے میں نہ آیا' وہ صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ہی کے لئے تھا۔ سب اپنے دوسرے دوسرے کاموں میں رہ گئے' لیکن انہوں نے وہ سب کام بھی ان سے بہتر کئے جو وہ سب کر رہے تھے اور پھر ان سے بڑھ کر یہ کہ سب کو راہ عزیمتِ دعوت و تجدید احیاء ملت' رفعِ اعلامِ سنت و اخمادِ شرور بدعت و کشف و ابرارِ معارفِ مستورۂ کتاب و سنت و الجہاد فی سبیل اللہ بالسیف و القلم و اللسان میں منزلوں اپنے پیچھے چھوڑ دیا اور علوم و اعمالِ و ہیہ و سماویہ کی ان بلندیوں پر تن تنہا جا کھڑے ہوئے جہاں ان کے معاصرین کے وہم و تصور کو بھی بار نہیں۔ حتیٰ کہ خود

ان کے معاصرین کو یک قلم ہو کر اعتراف کرنا پڑا: **مَا رَاَینَا مثلہ و انہ ما رَاٰی مثل نَفسہٖ**
(نہ تو ہماری آنکھوں نے اس کا مثل دیکھا اور نہ خود اس کو اپنا سا کوئی نظر آیا)

خود حافظ ذہبی اپنے معجم شیوخ میں جب اس نادرۃ الارض و اعجوبۃ الدھر کے اوصاف و مدائح لکھتے لکھتے تھک کر رہ گئے اور وہ ختم نہ ہوئے تو بالآخر یہ کہہ کر خاموش ہو جانا پڑا: "ان کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ مجھ جیسا شخص ان کی سیرت و فضیلت بیان کرے۔ خدا کی قسم اگر میں خانہ کعبہ میں عین رکن و مقام کے درمیان کھڑے ہو کر قسم کھاؤں کہ نہ تو میری آنکھوں نے ان کا مثل دیکھا اور نہ خود انہوں نے اپنا ہمتا تو میری قسم سچی ہوئی اور میرے لئے کفارۂ یمین نہیں"۔

حافظ ابو الحجاج مزی امام الحدیث تھے' ان کے مرتبہ کا حال حافظ ذہبی کی مصنفات خصوصاً تذکرہ و معاجم اور طبقاتِ کبریٰ سبکی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ان کے تمام معاصرین اس بات پر متفق ہیں کہ وہ نہ صرف جرح و تعدیلِ رجال کے امام تھے بلکہ اس فن کے اماموں کے امام۔ بایں ہمہ یہ مقامات اور ہیں اور نسبتِ نبوت' نیابتِ کاملہ' منصبِ رسالت و عزیمتِ و دعوت کا مقام دوسرا ہے۔ وہ تو اس عہد میں صرف ابن تیمیہ کے لئے ہی تھا' چنانچہ خود ان کو بھی وہی کہنا پڑا جو اس عہد کے تمام اصحابِ حق نے کہا تھا: "نہ میں نے ان کا مثل دیکھا اور نہ خود انہوں نے کسی کو ہمتا پایا اور نہ میں نے کسی شخص کو ان سے زیادہ کتاب و سنت کا علم رکھنے والا اور کتاب و سنت کا اتباع کرنے والا دیکھا"۔
حافظ موصوف نے ایک اور موقعہ پر کہا: "چار سو برس سے ایسا باکمال پیدا نہیں ہوا"۔

تم جانتے ہو کہ ایک چیز خوبصورتی ہے اور ایک چیز اس سے بھی بڑھ کر ہے' جس کے لئے زبان کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن آنکھ سمجھتی اور ذوق پہچان لیتا ہے۔ خواجہ حافظ شیرازی نے اس کو "آن" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے:

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد
بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

(محبوب وہ نہیں ہوتا جو ظاہر شکل و صورت اچھی رکھتا ہو' اُس شخص کا غلام بن جو اچھی سیرت کا بھی مالک ہو!)

تو وہ جو ایک چیز ہے کہ "آنے دارد" اس کے لئے کسی کا صرف خوبصورت ہونا ہی

کافی نہیں۔ خوبصورت تو ہزاروں ہوتے ہیں مگر "آن" رکھنے والے چشم و ابرو لاکھوں خوبان روزگار میں بھی ڈھونڈے نہیں ملتے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے عہد میں حسینوں اور خوبروئیوں کی کمی نہ تھی۔ معاجمِ ذہبی اور دُررِ کامنہ عسقلانی سے اگر اس عہد کے صرف ایسے علماء کبار کی ایک فہرست تیار کی جائے جو اپنے تبحراور کمالِ علم و عمل کی بنا پر ائمہ عصرو اساطینِ علوم تسلیم کئے گئے ہیں تو ان کی تعداد یقیناً سو سے بھی متجاوز ہوگی۔ یہ سب یقیناً حسین تھے اور بعض کی حسن و رعنائی پر تو ایک زمانہ فریفتہ وشیدا ہوا اور کتنے ہی حسینانِ روزگار نے ان سے دلربائی و دلآویزی کے بھید اور نکتے سیکھے۔ تاہم اس کو کیا کیجئے کہ وہ جو ایک چیز حسن و خوبروئی سے بھی بلند تر ہے، یعنی عزیمتِ دعوت و تشبہ بالانبیاء کی شان و آن تو اس کے لئے صرف حسنِ طلعت و بلندیٔ قامت ہی کافی نہیں، ان باتوں کے علاوہ بھی کچھ اور ہونا چاہئے اور وہ اس عہد میں صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ہی کے حصے میں آیا تھا۔

حافظ برزالی، ابو الحجاج مزی، ابن سید الناس، ابن دقیق العید، ذہبی، ابن نصر مقدسی اور ابوحیان صاحبِ تفسیر و امام النحو والادب ان خوبانِ عہد کے حسن و جمال پر کون نام دھر سکتا ہے، لیکن وہ سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ امام ابن تیمیہ کا سا جمال ہماری آنکھوں نے بھی نہ دیکھا اور ان کا مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ ہم جیسے ان کی تعریف و توصیف کریں۔

ساتویں صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کے اوائل کا زمانہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت نازک اور انقلابی زمانہ تھا۔ مشرق میں عربی خلافت کا بکلی خاتمہ ہوچکا تھا۔ تاتاریوں کا سیلاب اپنی اصل بلندیوں تک پہنچ چکا تھا۔ یہ وحشی درندے صرف تاخت و تاراج کے لئے آئے تھے۔ تاتاریوں کی ہیبت نے زندوں کو مردہ بنا دیا تھا۔ وہ صرف خون بہاتے اور نعشوں کے پُل اور سروں کے منارے کھڑے کرتے۔ ایک چھوٹی سی ٹکڑی آبادیوں کی آبادیاں ذبح کر ڈالتی اور بادشاہوں اور فوجوں کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ نو مسلم حکمران مذہب و علم سے نا آشنا تھے، اس لئے مذہبی حکومت تمام تر علماء و فقہاء کے ہاتھ آگئی۔ ایک طرف علماءِ دنیا و فقہاءِ دولت کا ایک گروہ عظیم پیدا ہوگیا، دوسری طرف باہمی تعصب و تفرقہ کی آگ روز بروز زیادہ بھڑکنے لگی، حتیٰ کہ جن چھوٹے چھوٹے اختلافات کو

پہلے عوام نے کبھی اہمیت نہ دی تھی ان کی بنا پر خواص و فقہاء ایک دوسرے کی تضلیل کرنے لگے اور جس گروہ کو حکومت میں زیادہ دخل ہوا اس نے دوسرے کو قید خانوں اور جلاوطنیوں کی مصیبت تک پہنچا کے چھوڑا۔ غرضیکہ ملت و شریعت کی تیرہ سو سالہ زندگی میں جو سخت سے سخت انقلابی زمانے گزر چکے ہیں ان سب سے زیادہ سخت و مہلک زمانہ تھا۔ اور ایک انقلابی برزخ تھا کہ اصلاح کی تمام پچھلی قوتیں ختم ہوچکی تھیں اور فساد کے تمام تخم آئندہ کے لئے پھل پھول رہے تھے۔ وقت نہ تو بڑے بڑے مدرسوں کا طالب تھا نہ بڑی بڑی خانقاہوں کا' بلکہ صرف ایک ایسی زبان و قدم کے لئے تشنہ و بے قرار تھا جس میں عزم ہو اور عازمانہ دعوت و امامت۔ سینکڑوں ہزاروں اعاظمِ وقت میں کسی کو بھی یہ منصب نہ ملا' صرف امام ابن تیمیہ ہی تھے جو زمانے کو پلٹ دینے اور ملکوں اور جماعتوں کو بدل دینے کے لئے اٹھے اور ایک ہی وقت و زندگی میں وقت کی ہر طلب اور سوال کا جواب دیا۔ تاتاریوں کے مقابلے میں حفظِ ملت کی ایک نئی زندگی تمام بلادِ مصر و شام میں پیدا کردی۔ علم میں ہی میں نہیں بلکہ میدانِ جہاد و قتال میں بھی ان کا گھوڑا سب سے آگے رہتا تھا۔ ایک صدی کے قتل و غارت نے تمام ملک کو جرأت و ہمت سے کورا کردیا تھا۔ بے غیرتی اور بزدلی سے سب کے دل مردہ ہوگئے تھے مگر اب وہی آبادیاں تھیں جو خود منزلوں آگے بڑھ کر تاتاریوں کا مقابلہ کرتیں اور سورج کی روشنی سے زیادہ اس حقیقت پر ایمان رکھتیں کہ مسلمان اگر مسلمان ہو تو اس کو کوئی طاقت مغلوب نہیں کرسکتی۔ ان کی زندگی کے حالات امام ذہبی کی زبانی سنو تو معلوم ہوگا کہ دل کی جگہ سیماب اور ہمت و عزم کی جگہ ایک پہاڑ تھا۔ دل کی بے قراریوں نے کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا مگر ہمت کی کوہ وقاری نے جہاں جمایا بغیر فتح و نصرت کے منہ نہ موڑا۔ ساتھ ہی علوم و عقائد کی تجدید و اصلاح کا عظیم الشان کام بھی اس اہتمام سے انجام دیا کہ بڑی بڑی جماعتوں سے بھی انصرام نہ پاتا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ دین و حق و توحید کی وحدت' خیر القرون کے علم و عمل کی از سرِنو تجدید اور تمام تفرقوں اور فرقہ بندیوں اور بدعتی راہوں کے خلاف قولاً و عملاً دعوتِ اولیٰ کی صدا اس قوتِ نفوذ کے ساتھ بلند کی کہ وقت کا کوئی شور و غوغا اس پر غالب نہ آسکا اور گو ہمیشہ دبانے کی بڑی بڑی قاہر و جابر کوششیں کی گئیں مگر اس کی گونج رہ رہ کر اٹھتی اور دب دب کر ابھرتی رہی' حتیٰ کہ آج بھی اگر مختلف

گوشوں سے صدائیں اٹھ رہی ہیں تو یہ بھی اسی گرج کی باز گشت ہے۔

لیکن بالآخر وہ بھی اسی فتنہ سے دو چار ہوئے جو اکثروں کو اس کام میں پیش آیا ہے یعنی سیاسی دعوت اور سلطنت و امامتِ کبریٰ کی بدگمانی۔ علماءِ سُوء کو ان کی مخالفت میں بڑی کامیابی اس لئے ہوئی کہ پولٹیکل خطرہ دکھلا کر اور تمام ملک میں ان کے حاکمانہ اور شاہانہ اقتدار کو دلیل میں پیش کرکے حکامِ وقت کو بھی مخالف بنادیا۔

دشمنانِ حق کے پاس سب سے بڑا آلۂ تعذیب قید خانوں کی کوٹھڑیاں ہیں، مگر یہ چیز بھی ان کی عزیمتِ دعوت کے مقابلہ میں بے کار تھی۔ مصر میں جب قید کئے گئے تو تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، جب قلم و دوات بھی چھین لی گئی تو قید خانے کے اندر قیدیوں پر نظر ڈالی۔ ان کا بڑا حصہ ڈاکوؤں، رہزنوں اور قاتلوں کا تھا۔ لیکن چند دنوں کے اندر ان کو شیطان سے فرشتہ بنا دیا۔ علم و عمل کی جو برکتیں خانقاہوں اور مدرسوں کو نصیب نہ تھیں وہ جیل خانے کے اندر ہر طرف نظر آنے لگیں۔ یہ معنی ہیں ایمانِ کامل اور مقامِ عزیمتِ علم و عمل کے۔ چراغ جہاں کہیں رکھا جائے گا اجالا ہو جائے گا، پھولوں کا گلدستہ طاق کی جگہ کوڑے کرکٹ کی ٹوکری ہی میں کیوں نہ ڈال دو لیکن اس کی خوشبو ضرور پھیلے گی۔

امام ابن تیمیہؒ کے تذکرہ میں جو کچھ لکھا گیا اس سے کہیں زیادہ چند قابلِ ذکر امور چھوڑ دئے گئے۔ حافظ ذہبی کو ایسی ہی صورت پیش آئی تھی۔ جن لفظوں پر انہوں نے ان کا ذکر ختم کیا تھا میں بھی کروں گا: (ترجمہ) یعنی جو لوگ امام ابن تیمیہ کے مقامات و مراتب کے جاننے والے ہیں سو وہ تو مجھے الزام دیں گے کہ جس قدر مدح و توصیف کرنی تھی نہ کی اور جو بے خبر اور مخالف ہیں وہ میرے بیان کو غلو و مبالغہ قرار دیں گے۔

مقصودِ اصلی اس تذکرے سے یہ تھا کہ "دعوت" کا مقام دوسرا ہے اور عزیمتِ دعوت کا دوسرا۔ عہدِ ظہورِ دعوت میں ہزاروں اصحابِ علم و کمال موجود ہوتے ہیں مگر دروازہ کھولنے والا صرف مجدد العصر ہی ہوتا ہے۔ یہ چند متفرق مثالیں تو دُور کی تھیں۔ خود ہندوستان ہی کی تاریخ دیکھ لو، ہمیشہ ایسا ہی معاملہ نظر آئے گا۔ شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہد جہانگیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء و مشائخِ حق سے بالکل خالی ہو گیا تھا؟ کیسے کیسے اکابر موجود تھے لیکن مفاسدِ وقت کی اصلاح و تجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن

نہ آیا۔ صرف حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ رحمۃ اللہ علیہ کا وجود گرامی ہی تن تنہا اس کاروبار کا کفیل ہوا۔ معلوم ہے کہ اس عہد میں بڑے بڑے علماء و اصحابِ خانقاہ موجود تھے۔ کوئی شہر و قریہ نہ تھا کہ خانقاہوں اور مدرسوں سے خالی ہو۔ علماء میں شیخ وجیہ گجراتی' شیخ علی متقی' شیخ جلال تھانیسری' ملا محمود جونپوری' مولانا یعقوب کشمیری' ملا قطب الدین سہالوی' شیخ عبدالحق محدث' ملا عبدالحکیم سیالکوٹی' مولانا عبداللہ جونپوری' وغیرہم' اپنے وقتوں کے مالک اور علم و تعلیم کے بادشاہ تھے۔ بایں ہمہ دوسرے دوسرے گوشوں اور کاموں میں بسر کر گئے' اس راہ میں تو ایک قدم بھی نہ اٹھ سکا۔ اصحاب طریقت میں حضرت خواجہ باقی باللہ جیسے عارفِ کامل خود دہلی میں بعہدِ اکبری مقیم رہے۔ لیکن وہ خود کہتے تھے کہ میں چراغ نہیں ہوں چماق ہوں' آگ نکال دوں گا۔ چراغ شیخ احمد سرہندی ہے۔ جو حالت اُس وقت نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام کابل و ترکستان و خراسان کی ہو رہی تھی ان سب کے سامنے تھی۔ سب اس پر آہ و فغاں بھی کرتے ہیں مگر اس سے آگے معاملہ نہیں بڑھتا۔ ہندوستان میں سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ تمام عوام و خواص پر تصوف کا رنگ غالب تھا لیکن تصوفِ صالح کا جوہرِ پاک جہل و بدعت کی آمیزش سے یکسر مکدر ہو چکا تھا۔ خانقاہوں اور سجادہ نشینی کے سلسلوں کے جال میں پوری اقلیم جکڑ بند تھی۔ دوسری طرف عہدِ اکبری کی بدعات تخت و تاجِ حکومت کے زور سے ہر طرف پھیل چکی تھیں۔ کون تھا کہ اُس وقت امن و عافیت کے مدرسوں اور سلطانی و فرمانروائی کی خانقاہوں سے نکلتا اور دعوت و اصلاح کی امتحان گاہوں میں قدم رکھتا۔ خود حضرت موصوف ایک مکتوب میں اپنے فرزند کو لکھتے ہیں:

> (ترجمہ) "اے بیٹے' یہ ایسا دور ہے کہ اس قسم کے تاریک دور میں گذشتہ امتوں میں اولوالعزم پیغمبر مبعوث کئے جاتے تھے اور وہ نئی شریعت کی بنیاد رکھتے تھے۔ اس امت میں جو کہ خیر الامم ہے اور جس کا پیغمبر خاتم الرسل ہے علماء کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ دیا گیا ہے اور انبیاء کی بجائے علماء کے وجود کو کافی سمجھا گیا ہے۔ اِس وقت اُمت کو ایسے عالمِ عارف کی ضرورت ہے جو معرفت میں کامل ہو تاکہ وہ انبیاء اولوا العزم کے قائم مقام ہو سکے"۔

کچھ شک نہیں کہ توفیقِ الٰہی نے حضرت ممدوح کے وجودِ گرامی ہی کے لئے یہ مرتبہ خاص کردیا تھا۔ انبیاء اولوالعزم کی نیابت و قائم مقامی یعنی مقامِ عزیمتِ دعوت کا خلعت صرف انہی کے جسم پر چست آیا' باقی جس قدر تھے یا تو مدرسوں میں پڑھاتے رہے یا موٹی کتابیں اور نئی نئی شرحیں اور حاشیے لکھتے رہے یا پھر ان کی تضلیل و تکفیر کے فتووں پر دستخط کرتے رہے۔ وقت کا جو اصلی کام تھا اس کو کوئی ہاتھ نہ لگا سکا۔

ادھر چند قدم اور آگے بڑھو۔ مقامِ عزیمتِ دعوت کی کیسی کامل اور آشکارا مثال سامنے آتی ہے۔ ساری مثالوں سے آنکھیں بند کرلو' صرف یہی ایک مثال زیرِ بحث حقیقت کے فہم و کشف کے لئے کافی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام ہر رنگ میں کس درجہ جامع و کامل ہے۔ بایں ہمہ جو کچھ ہوا تجدید و تدوینِ علوم و معارف اور تعلیم و تربیتِ اصحابِ استعداد تک محدود رہا' اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ فعلاً عمل و نفاذ اور ظہور و شیوع کا پورا کام تو کسی دوسرے مردِ میدان کا منتظر تھا اور معلوم ہے کہ توفیقِ الٰہی نے یہ معاملہ صرف حضرت علامہ و مجدد شہیدؒ کے لئے مخصوص کردیا تھا۔ خود شاہ صاحب کا بھی اس میں حصہ نہ تھا۔ اگر خود شاہ صاحب بھی اُس وقت ہوتے تو انہی کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے۔ خود اس خاندانِ عالی میں کیسے کیسے اکابر و اساتذۂ علم و عمل موجود تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے درس و تدریس کی پادشاہت سمرقند و بخارا اور مصر و شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین علم و عمل کے آفتاب تھے۔ خاندان سے باہر اگر ان کے تربیت یافتوں کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں ان کا فیضانِ علم کام نہ کررہا ہو۔ بایں ہمہ یہ کیا معاملہ ہے کہ جو وقت کا ایک سب سے بڑا کام تھا اس کے لئے کسی کے قدم کو جنبش نہ ہوئی۔ سب دوسرے دوسرے کاموں میں رہ گئے یا حجروں کا کام یا مدرسوں کا' لیکن میدان والا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ وہ گویا ایک خاص پہناوا تھا جو صرف ایک ہی جسم کے لئے تھا اور ایک ہی پر چست آیا۔

تو یہ وہی حقیقت ہے جو کتنی دیر سے تمہارے ذہن نشین کررہا ہوں۔ یعنی اس وادی کا مردِ کار ہر صاحبِ علم و عمل نہیں ہوسکتا۔

استادی و شاگردی' نوعمری و کہولت' خانقاہوں کی دھوم دھام اور مدرسوں کا ہنگامہ' یہ ساری باتیں یہاں کے لئے بیکار ہیں۔ ان سارے عہدوں میں دیکھو باعتبار علم و عمل ایک

سے ایک بڑھ چڑھ کر موجود تھا۔ تاہم دعوت دوسری چیز ہے اور عزیمتِ دعوت کامقام دوسرا ہے۔ اس کی ہمت کسی میں نہ تھی۔

ستاروں سے تمام فضا آسمانی بھری پڑی ہے لیکن دمدار ستارے ہمیشہ طلوع نہیں ہوتے۔ یہی حال اصحابِ عزائم کا بھی ہے۔ اللہ کی حکمت و ربوبیت ان کو تمام خلق اللہ میں سے چن لیتی اور بحکم وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ اپنی رحمتوں اور ربوبیتوں کے عجائب و خوارق ان کے لئے مخصوص کردیتی ہے۔ پھر ان کے معاملات میں نہ تو کسی دوسرے کا ساجھا ہوتا ہے اور نہ کسی مدعی کی وہاں تک رسائی۔

مقامِ "عزیمتِ دعوت" اور "احیاءو تجدیدِ امت" کی نسبت یہ جو کچھ بلا قصد زبانِ قلم پر آگیا تو اگرچہ اس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہ تھا لیکن زیادہ تر یہ خیال باعث ہوا کہ شاید ان حالات و وقائع کا مطالعہ اصحابِ صلاح و استعداد کے لئے کچھ سود مندِ علم و عمل ہو اور کسی کے قلبِ بصیرت و دیدۂ اعتبار کو ان مجددینِ ملت و مصلحینِ حق کے اتباع و تشبہ کی توفیق ملے۔ شاید کوئی مردِ کار اور صاحبِ عزم وقت کی پکار پر لبیک کہے اور زمانہ کی طلب و جستجو کا سراغ بنے۔ آج اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور ڈھونڈ ہے تو صرف اسی کی۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

۱۔ فرقہ واریت

۲۔ جماعت میں پراگندگی' انتشار

۳۔ بدعات کا رواج پانا

۴۔ تقلید کو گھیر لینا یعنی اس سے باہر نہ نکلنا

۵۔ غور و فکر و اجتہاد کا دروازہ بند کردینا یا بند رکھنا

۶۔ سنت کے جھنڈے بلند کرنا۔ اَعلام جمع ہے علم کی

۷۔ شرو بدعت کی آگ بجھا دینا

۸۔ یعنی کتاب و سنت کے مقامات کے اسرار کو ظاہر کرنا

۹۔ حافظ ذہبی (۶۷۳ھ - ۷۴۸ھ) عرب مؤرخ اور عالم دین۔ قاہرہ کے مستند علماء کے پاس سب سے زیادہ مدت گزاری۔ ان کے اساتذہ کی تعداد تیرہ سو سے زیادہ ہے۔ سیرت نگاروں نے انہیں محدث العصر اور خاتم الحفاظ کے القاب سے یاد کیا ہے۔ ان کی تصانیف حدیث اور علم الرجال میں بہت مقبول ہوئیں۔ انہیں حدیث، فقہ اور تاریخ میں ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ ان کے تین معاجم کبیر اوسط اور صغیر ہیں۔ تاریخ الاسلام ان کی سب سے بڑی کتاب ہے۔ یہ تاریخ حضور اکرمؐ کے نسب نامے سے شروع ہو کر ۷۰۰ھ پر ختم ہوتی ہے۔

۱۰۔ یعنی قسم کا کفارہ

۱۱۔ جرح و تعدیل محدثین کی اصطلاحات ہیں۔ جرح کا مطلب ہے کسی راوی کی وہ کمزوریاں بیان کرنا جو اس کی روایت کے رد کا موجب ہو سکیں۔ تعدیل کا مطلب ہے کسی راوی کی وہ صفات بیان کرنا جن کی بناء پر اس کی روایت مقبول بن سکے۔

۱۲۔ حافظ ابن حجر (۷۷۳ھ - ۸۵۲ھ) حدیث کے زبردست عالم۔ بلوغ المرام، فتح الباری فی شرح البخاری کے علاوہ چالیس سے زیادہ کتابوں کے مصنف۔ درر کامنہ ان کی مشہور کتاب تاریخ

۱۳۔ حافظ برزالی (وفات ۷۳۹ھ) اپنے عہد کے نامور محدث و مورخ

۱۴۔ ابو الحاج مزی (وفات ۷۴۲ھ) محدث و مورخ۔ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال اور تحفہ الاشراق کے مصنف

۱۵۔ ابن سید الناس (وفات ۷۳۴ھ) نامور محدث و شارح جامع ترمذی

۱۶۔ ابن دقیق العید (وفات ۷۰۲ھ)

۱۷۔ نامور محدث

۱۸۔ ابن نصر مقدس (وفات ۷۸۴ھ) نامور محدث و مورخ۔

۱۹۔ (۱۴ شوال ۹۷۱ھ - ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ) سرہند میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی احمد تھا۔ سلسلہ نسب حضرت عمرؓ سے ملتا ہے۔

بقیہ: بسلسلہ منہج انقلاب نبویؐ

استعمال فرمایا چنانچہ جہاں حج کے اجتماع میں آپؐ نے ہمیشہ التزام کے ساتھ تبلیغ فرمائی وہاں عکاظ کے "میلے" سے بھی اجتناب نہیں فرمایا۔ فصلی اللہ علیہ و آلہ وسلم!

۴۔ اس سلسلے میں یہ نکتہ خاص طور پر توجہ کے قابل ہے کہ آپؐ نے اپنے پیغام کی نشرو اشاعت اور اپنی دعوت کے ابلاغ و تبلیغ کے لئے تمام ممکنہ طریقوں اور جملہ دستیاب وسائل کا بھرپور استعمال فرمایا یہاں تک کہ مروجہ رسومات تک کو اختیار کیا' صرف اس احتیاط کے ساتھ کہ اگر ان میں کوئی عنصر صریح طور پر فحش اور منکر کا شامل تھا تو اسے خارج کردیا جس کی نمایاں ترین مثال یہ ہے کہ آپؐ اپنے پہلے "جلسۂ عام" کے لئے لوگوں کو مدعو اور متوجہ کرنے کی وہی صورت اختیار کی جو معاشرے میں "نذیر عریاں" یعنی ننگے خبردار کرنے والے اختیار کرتے تھے' یہاں تک کہ وہی لفظ یعنی "واصباحاہ" استعمال کیا جس کا رواج تھا' صرف اس فرق کے ساتھ کہ آپؐ نے خود عریانی اختیار نہیں فرمائی' یقیناً آپؐ کے اسی اسوہ میں دائمی رہنمائی ہے ان سب کے لئے جو اسلامی انقلاب کے خواہاں اور اس کے لئے کوشاں ہوں۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا نہایت اہم خطاب

جہاد بالقرآن

کتابی صورت میں دستیاب ہے

صفحات: ۵۶ سفید کاغذ، عمدہ طباعت: قیمت فی نسخہ ۔۱۲ روپے

افہام وتفہیم

”چہرے کا پردہ اور اسلام“

ایک مغالطہ آمیز انٹرویو کے بارے میں استفسار کا جواب (۲)

حافظ خالد محمود خضر

”چہرے کا پردہ اور اسلام“ کے زیرِ عنوان ماہنامہ قومی ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے ایک مغالطہ آمیز انٹرویو کے بارے میں موصول ہونے والے ایک خط میں اٹھائے گئے سوالات میں سے پہلے سوال کا جواب فروری کے میثاق میں شاملِ اشاعت کیا گیا تھا۔ سطور ذیل میں اس خط کے دوسرے اور تیسرے سوال کا جواب دیا جارہا ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت 53 میں (جسے آیتِ حجاب کہا جاتا ہے) اہلِ ایمان کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں سے متعلق آداب کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ

”اور جب تمہیں ان سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگا کرو۔“

یہاں ”هُنَّ“ کی ضمیر کا مرجع ازواجِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہن) ہیں۔ اہلِ ایمان سے فرمایا جارہا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو ان سے کوئی چیز مانگنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ پردے کے پیچھے سے مانگے۔ یہ آیت اگرچہ ظاہر الفاظ کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے متعلق معلوم ہوتی ہے' لیکن اس میں جو ہدایات دی گئی ہیں وہ ازواجِ مطہرات ہی سے متعلق خاص نہیں ہیں' بلکہ ساری امت کے لئے عام ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد جب ازواجِ مطہرات کے گھروں میں دروازوں پر پردے لٹکا دیئے گئے تو تمام مسلمانوں کے گھروں پر بھی پردے لٹک گئے اور حکم حجاب کی پابندی جس طرح ازواجِ مطہراتؓ نے کی اسی طرح دیگر صحابیاتؓ نے بھی کی۔ اس آیت میں مذکورہ بالا حکم حجاب سے پہلے دعوتِ طعام اور مہمانی سے متعلق تین

احکامات بیان فرمائے گئے ہیں۔ اول یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہوا کرو' دوسرے یہ کہ جب داخل ہونے کی اجازت بلکہ کھانے کی دعوت بھی ہو تو وقت سے پہلے آکر کھانا تیار ہونے کے انتظار میں نہ بیٹھ جایا کرو اور تیسرے یہ کہ جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو وہاں سے اٹھ جاؤ' منتشر ہو جاؤ اور اپنے اپنے کاموں میں لگ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ کھانے سے فارغ ہو کر وہیں بیٹھ کر باہم باتوں میں مشغول رہو۔ یہ تینوں احکام اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں داخلے سے متعلق ارشاد فرمائے گئے ہیں' لیکن ان کا مفاد عام ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تفسیر عثمانی میں لکھا ہے:

"یہ باتیں گو نبیؐ کے مکانوں سے متعلق فرمائی ہیں کیونکہ شانِ نزول کا تعلق انہی سے تھا' مگر مقصود ایک عام ادب سکھلانا ہے۔ بے دعوت کسی کے یہاں کھانا کھانے کی غرض سے جا بیٹھنا' یا طفیلی بن کر جانا' یا کھانے سے قبل یوں ہی مجلس جمانا' یا فارغ ہونے کے بعد گپ شپ لڑانا درست نہیں۔"

اس سوال کے ضمن میں سورۃ الاحزاب ہی کی آیات 32 - 33 کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔ ان دو آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"اے نبیؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو' تو تم لہجہ میں نرمی اختیار نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ کسی طمعِ خام میں مبتلا ہو جائے بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سج دھج نہ دکھاتی پھرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے اے اہلِ بیتِ نبیؐ کہ تم سے آلودگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔"

مذکورہ بالا آیتوں میں خطاب واضح طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوںؓ سے ہے لیکن اس میں دیئے گئے احکام کا اطلاق تمام مومنات پر ہوتا ہے۔ یہاں ازواج نبیؐ کو نرم لہجے اور لوچدار آواز میں گفتگو کی ممانعت فرمائی گئی ہے تو کیا یہ حکم صرف انہی کے لئے مخصوص ہے اور عام مومنات کے لئے اس میں کوئی رہنمائی نہیں؟ پھر دورِ جاہلیت کی عورتوں کی طرح سج دھج کر زیب و زینت کے ساتھ باہر نکلنے کی ممانعت کا حکم بھی کیا

صرف ازواجِ مطہرات ہی کے لئے تھا اور دوسری مسلمان عورتوں کو کھلی چھٹی دے دی گئی کہ وہ جس طرح چاہیں آرائش و زیبائش کرکے، بن سنور کر اٹھکیلیاں کرتی پھریں؟ ظاہر ہے کہ دوسری عورتوں کو بھی اس کی اجازت نہیں! اور آگے جو حکم دیا گیا کہ "نماز قائم کرو" تو کیا اقامتِ صلوٰۃ کا یہ حکم بھی صرف ازواجِ مطہرات کے لئے ہے اور دوسری عورتوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوگا؟ اس کے بعد حکم دیا گیا کہ "زکوٰۃ ادا کرو" تو کیا ایتائے زکوٰۃ کا یہ حکم بھی ازواج النبیؐ کے لئے مخصوص ہے؟ اور آگے فرمایا کہ: "اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو" تو کیا اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم بھی صرف ازواجِ مطہرات کے لئے ہے اور دوسری عورتوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت لازم نہیں ہے؟؟ —— ان آیات کے سیاق و سباق سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہاں اگرچہ براہِ راست خطاب ازواجِ مطہراتؓ سے ہے لیکن ان کے واسطے سے پوری امت کی خواتین ان احکام کی مخاطب ہیں اور یہ احکام ازواجِ مطہرات کے لئے خاص نہیں بلکہ سب کے لئے عام ہیں۔ ان آیات کے ذیل میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

> "(تنبیہ) جو احکام ان آیات میں بیان کئے گئے تمام عورتوں کے لئے ہیں۔ ازواجِ مطہرات کے حق میں چونکہ ان کا تاکد و اہتمام زائد تھا اس لئے لفظوں میں خصوصیت کے ساتھ مخاطب ان کو بنایا گیا۔"

اسی طرح آیتِ حجاب میں اگرچہ مذکور صرف ازواج النبیؐ کا ہے لیکن حجاب کا حکم ان کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تمام مومنات کے لئے عام ہے۔ قرآن حکیم میں یہ طرزِ تخاطب اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ امت کی عورتوں کے لئے نمونہ ہیں[1]۔

جہاں تک حکمِ حجاب کی علت کا تعلق ہے تو وہ قرآن حکیم میں آیتِ حجاب ہی کے اندر بڑے واضح انداز میں بیان فرما دی گئی ہے:

---

[1] واضح رہے کہ اسی سورت میں وہ آیت بھی ہے: (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ....) گویا اگرچہ پوری امت کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات اسوہ کا درجہ رکھتی ہے لیکن عورتوں کے مخصوص معاملات میں ان کے لئے اسوہ چونکہ کوئی عورت ہی ہو سکتی تھی لہٰذا ازواجِ مطہرات کے ذریعے اس کی کو پورا کیا گیا۔

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ

"یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لئے بھی زیادہ پاکیزہ ہے اور ان کے دلوں کے لئے بھی"

یعنی دلوں کو آفات سے محفوظ رکھنے کی یہ ایک نہایت ضروری تدبیر ہے کہ عورتیں حجاب میں رہیں۔ غیر محرم مردوں کو اگر ان سے بوقتِ ضرورت کوئی بات بھی کرنا ہو تو رُو در رُو نہیں بلکہ پردے کی اوٹ سے کریں۔ انسان کا دل جس نے بنایا ہے وہ اس کی کمزوریوں سے خوب واقف ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ کون سے منفی راستے ہیں جن سے یہ دل برے اثرات قبول کرتا ہے۔ اور انسان کے جسم میں دل ہی ایک ایسا عضو ہے جس پر اس کی تمام اخلاقی صحت کا انحصار ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ

"آگاہ رہو کہ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ایسا ہے کہ وہ جب تندرست ہو تو سارا جسم تندرست ہوتا ہے اور جب وہ بگاڑ کا شکار ہو جائے تو سارے جسم میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ جان لو کہ وہ دل ہے!"

چنانچہ اس دل کو بگاڑ اور فساد سے بچانے کے لئے دل کے خالق نے مومن عورتوں کے لئے حجاب کا حکم نازل فرمایا۔ اسی کو علمائے کرام ردِّ فتنہ قرار دیتے ہیں۔ آخر دل کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے سے بڑھ کر اور فتنہ کیا ہو گا؟؟ اور اب ذرا سوچئے کہ کیا یہ فتنہ صرف ازواجِ مطہرات (رضی اللہ عنہن) کی بے حجابی سے پیدا ہو گا؟ معاذ اللہ! ازواجِ مطہرات امت کی وہ پاکیزہ ترین خواتین ہیں کہ ان جیسی پاکیزہ خواتین اس روئے زمین پر چشمِ فلک نے نہیں دیکھی ہوں گی۔ اس پر مستزاد یہ کہ قرآن حکیم میں انہیں اہلِ ایمان کی مائیں قرار دیا گیا۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کو انہی سے فتنے کا اندیشہ تھا اور دوسری عورتوں کے دل کسی قسم کی خرابی سے ہر طرح محفوظ و مامون ہیں اور وہ مردوں کے لئے بھی کسی طرح کا فتنہ نہیں بن سکتیں؟ حکمِ حجاب کو صرف ازواجِ مطہرات کے لئے مخصوص سمجھنے والے

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ امریکہ

اکثر احباب کے علم میں ہوگا کہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا حالیہ بیرونی سفر بالکل اچانک طے پا گیا تھا۔ ۲۴ دسمبر ۹۲ء تک کہیں حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ایسا کوئی پروگرام بننے والا ہے۔ ۲۵ دسمبر کو کراچی میں رفیق تنظیم جلال الدین اکبر صاحب نے اپنے امریکہ کے بعض اعزہ کی جانب کچھ اس انداز میں دعوت پیش کی کہ جسمانی عوارض اور دوسرے کئی طرح کے مسائل کے باوجود ڈاکٹر صاحب اسے رد نہ کرسکے۔ چنانچہ چند ہفتوں کے اندر ساری کارروائی مکمل کرکے جمعرات ۲۱ جنوری ۹۳ء کو صبح ۵:۴۰ پر نیویارک کے لئے روانگی بھی عمل میں آگئی۔ امریکہ میں ایک ماہ سے کچھ اوپر قیام کے بعد پیرس، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات وغیرہ ٹھہرتے ہوئے امیر محترم ۲ مارچ کو ۴ بجے صبح واپس تشریف لائے۔ امیر محترم کے سفر امریکہ کی ایک مفصل رپورٹ ہمیں امریکہ سے عطاء الرحمٰن صاحب نے بھجوائی ہے جو امریکہ کے مختلف شہروں مین مقیم رفقاء و احباب کی مرتب کردہ رپورٹوں پر مشتمل ہے۔ "میثاق" کے صفحات میں ان جملہ رپورٹوں کے لئے تو گنجائش نہیں ہے۔ البتہ ذیل میں ان کا صرف واقعاتی خلاصہ پیش کیا جارہا ہے (مدیر)

نیوجرسی

ڈاکٹر صاحب پروگرام کے مطابق اپنے سب سے چھوٹے صاحبزادے آصف حمید کے ہمراہ نیویارک کے جے ایف کے ایئرپورٹ پر جمعرات ۲۱ جنوری دن کے ڈھائی بجے کے لگ بھگ پہنچ گئے، جہاں نیوجرسی کے میزبان حضرات یعنی جناب محمد حسین صاحب اور محمد ظہیر صاحب کے علاوہ تنظیم اسلامی کے رفقاء راحیل ملک اور ڈاکٹر منظور علی شیخ استقبال کے لئے موجود تھے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ صبح کو لاہور سے روانہ ہوکر اسی روز دوپہر کو نیویارک اس لئے پہنچ گئے کہ یہاں اور وہاں کے وقت میں قریباً دس گھنٹے کا فرق ہے، ورنہ سفر تو کوئی اٹھارہ گھنٹے کا طے کیا۔ بہرحال ایئرپورٹ سے کار کے ذریعے عشاء کے قریب نیوجرسی کے اہم صنعتی شہر ٹرینٹن (TRENTON) میں محمد حسین صاحب کی رہائش گاہ پہنچے جہاں ڈاکٹر صاحب کا قیام

تھا۔ نماز عصر اور مغرب راستے میں سنٹرل جرسی کے اسلامک سنٹر کی خوبصورت مسجد میں ادا کی گئیں۔

"ٹرینٹن" کی مسجد صفاء میں اگلے روز صبح کا درس قرآن طے تھا' لیکن اسے ڈاکٹر صاحب کے طویل سفر کے "جیٹ لیگ" (Jet Lag) کے باعث منسوخ کرنا پڑا۔ تاہم ڈاکٹر صاحب نے اسی مسجد میں جمعہ کا خطاب فرمایا اور نماز پڑھائی۔

اس دوران شکاگو سے "فرینڈز آف تنظیم اسلامی پاکستان" (FOTIP) کے ناظم عطاء الرحمٰن صاحب بھی پہنچ گئے اور تین روز یعنی جمعہ' ہفتہ اور اتوار ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہی رہے۔ جمعہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے تھوڑا آرام کیا اور قریباً دو گھنٹے کی مسافت پر واقع "مورز ٹاؤن" (Moores Town) کے ٹاؤن ہال میں عشاء کی نماز ادا کی اور "مسلمانوں کا ماضی' حال اور مستقبل" کے موضوع پر دو گھنٹے تک انگریزی میں خطاب کرنے کے بعد واپس قیام گاہ پہنچے۔ ٹرینٹن میں ڈاکٹر صاحب کا قیام چھ روز رہا اور سوائے پہلے دن کے بقیہ پانچوں دن باقاعدگی سے مسجد صفاء میں صبح کا درس قرآن جاری رہا۔ یہ درس بھی انگریزی ہی میں ہوتا رہا اس لئے کہ اس مسجد کے نمازیوں میں متعدبہ تعداد مقامی افریقی' امریکی مسلمانوں کی ہوتی ہے۔ صبح کے اس درس کے علاوہ ان پانچ دنوں میں نیوجرسی کے علاقے میں مختلف مقامات پر نہایت کامیاب اجتماعات منعقد ہوئے۔

ہفتہ ۲۳ جنوری کا پروگرام خاصا وزنی رہا۔ نیوبرن وک (New Brunswick) کے شیرٹن ہوٹل میں ظہر کی نماز کے بعد ایک کانفرنس سے خطاب کا پروگرام تھا جو غیر معمولی طوالت اختیار کرگیا جس کے باعث مغرب کی نماز بھی وہیں ادا کرنا پڑی۔ واپسی پر ڈیڑھ گھنٹے کا سفر طے کرکے مسجد صفاء میں اجتماعی کھانے اور نماز عشاء کے بعد ڈاکٹر صاحب نے "مسلم اور مومن کا فرق" کے موضوع پر خطاب کیا' جس میں افریقی' امریکی اور عرب مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

اتوار ۲۴ فروری سنٹرل جرسی اسلامک سوسائٹی کے مرکز میں صبح ۱۰ بجے "امت مسلمہ کی دوہری ذمہ داری" کے بارے میں خطاب تھا' لہٰذا ناشتے کے فوراً بعد ادھر روانہ ہوگئے۔ یہاں سامعین کی اکثریت عرب مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ (وہاں کے امام شبلی جو مصری عالم ہیں ڈاکٹر صاحب کے خطاب سے اس درجہ متأثر ہوئے کہ بعد میں باقاعدہ شدِّ رحال کرکے ٹرینٹن کی مسجد صفا میں ڈاکٹر صاحب کے خطاب میں شرکت فرماتے رہے اور نوٹس لیتے رہے۔) وہاں سے بھاگم بھاگ بونسٹن (Boonston) اسلامک سنٹر پہنچے جہاں نماز ظہر کے بعد خطاب کا پروگرام تھا۔ اگرچہ مسلسل مشقت کی وجہ سے تھکاوٹ اور گلے کی خرابی جیسے مسائل درپیش تھے اور

ساتھ ساتھ ادویات کا استعمال بھی ہو رہا تھا لیکن ڈاکٹر صاحب نے بڑی ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہاں بھی بھرپور خطاب کیا۔ نماز عصر کے بعد سفر کا اگلا مرحلہ شروع ہوا اور مغرب کی نماز "سمرول" (Somerville) پہنچ کر ادا کی۔ نماز کے بعد یہاں بھی محترم ڈاکٹر صاحب نے مفصل خطاب فرمایا۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر واپسی کا سفر شروع ہوا اور اس طرح نصف شب کے قریب قیام گاہ پہنچنا ہوا۔

سوموار ۲۵ جنوری تا بدھ ۲۷ جنوری زیادہ تر پروگرام مسجد صفاء، ٹرنٹن میں ہوئے جن میں روزانہ بعد نماز عشاء ایک تقریر تو التزاماً ہوئی۔ مزید برآں ایک خصوصی پروگرام خواتین کے لئے بھی ہوا اور یہاں صرف یہی ایک تقریر اردو میں ہوئی، اس لئے کہ اس میں ہند و پاک سے تعلق رکھنے والی خواتین کی بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔ ساتھ ہی مقامی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے حضرات سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ نیویارک اور نیوجرسی میں "حزب التحریر" کے بعض سرکردہ حضرات کے ساتھ کوئی ساڑھے تین گھنٹے تک ملاقات رہی۔

۲۷ جنوری کو ڈاکٹر صاحب نے نیوجرسی سٹیٹ پرزن یعنی جیل میں مسلمان قیدیوں کو جن میں زیادہ تر سیاہ فام امریکن تھے، سورۃ العصر کا درس دیا۔ رات نماز عشاء کے بعد یہاں آخری خطاب تھا، جس کے بعد جرسی سٹی کے لئے روانگی ہوئی۔ رات تنظیم اسلامی کے رفیق ڈاکٹر منظور علی شیخ کے ہاں قیام کیا اور ۲۱ر جنوری کو ورود امریکہ کے بعد صرف ۲۸ جنوری کے دن ڈاکٹر صاحب کو کسی قدر آرام کرنے کی فرصت نصیب ہوئی۔ نیوجرسی کے چھ روزہ قیام کے دوران نیویارک میں مقیم رفیق تنظیم جناب راحیل ملک بھی مسلسل ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مقیم رہے اور حتی الامکان ڈاکٹر صاحب کو آرام پہنچانے کا اہتمام کرتے رہے۔

ڈیٹرائٹ

جمعرات ۲۸ جنوری کو شام ۶ بجے نیویارک کے "نیوارک ایئرپورٹ" سے روانہ ہو کر رات کے ساڑھے آٹھ بجے ڈیٹرائٹ پہنچنا ہوا، جہاں رفیق تنظیم جناب اعجاز چوہدری صاحب کے ہاں قیام رہا۔ یہ شہر شکاگو اور ٹورنٹو کے بالکل درمیان واقع ہے۔ (دونوں جانب فاصلہ تین سو میل کے لگ بھگ ہے) یہاں کا قیام اس سفر کا اہم ترین حصہ تھا، اس لئے کہ یہیں شکاگو اور ٹورنٹو کے رفقاء و احباب سے ملاقات کا پروگرام تھا۔ تاکہ کچھ سابق غلط فہمیوں کے ازالے اور آئندہ کے لائحہ عمل پر گفتگو ہو سکے۔ چنانچہ بروز جمعہ نماز فجر کے بعد شکاگو کے رفقاء کے ساتھ ملاقات ہوئی اور سہ پہر کو "فوٹپ" کے رفقاء سے تبادلہ خیال رہا۔ اس کے علاوہ "ٹرائے" کی مسجد میں جمعہ کا خطبہ بھی دیا اور بعد نماز عشاء "امت مسلمہ کی موجودہ حالت زار" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

ہفتہ ۳۰ جنوری کو حسب پروگرام شکاگو کے ڈاکٹر خورشید صاحب اور ڈاکٹر طور صاحب سمیت ٹورنٹو، ڈیٹرائٹ اور شکاگو کے دیگر پرانے اور نئے رفقاء کے ساتھ ملاقات ہوئی اور "ٹرائے" کی مسجد میں کل رات کے موضوع کے دوسرے حصہ پر خطاب ہوا۔ رفقاء کے ساتھ ملاقات کا سلسلہ اگلے روز ۳۱ جنوری کو بھی جاری رہا اور چونکہ بحمد اللہ بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگیا لہٰذا آخر میں ڈاکٹر انصاری صاحب کو "ٹینا" کو نئے سرے سے منظم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔

سینٹ لوئیس

یکم تا ۳ فروری سینٹ لوئیس (مزوری) میں قیام رہا۔ یہاں کا پروگرام اصل میں تو ڈاکٹر صاحب نے ڈاکٹر وقاصی صاحب سے اپنے طبی معائنے، بالخصوص قلب کے مشہور Stress Test کے لئے رکھا تھا۔ اس لئے کہ دو سال قبل کی ایک Visit کے دوران یہاں ڈاکٹر وقاصی صاحب ہی کے کلینک میں یہ Test ہوا تھا۔ جس کے نتیجے میں بلڈ پریشر کے رجحان کی تشخیص ہوئی تھی اور ان ہی کی تجویز کردہ دوا دو سال سے ڈاکٹر صاحب کے زیر استعمال تھی۔ الحمدللہ کہ یہ Test باقی ہر طرح سے تسلی بخش رہا۔ اور ڈاکٹر صاحب جو جملہ از راہ تفنن کہا کرتے ہیں وہ صحیح ہی ثابت ہوا۔ یعنی یہ کہ "میرے دماغ میں تو کوئی خرابی ہوسکتی ہے، بحمد اللہ دل میں کوئی خرابی نہیں ہے۔" ڈاکٹر وقاصی پاکستان کے صوبہ سرحد سے تعلق رکھتے ہیں اور دو سال قبل کی ملاقات میں ڈاکٹر صاحب ان کی اور ان کے دوسرے سندھی سرجن ڈاکٹر قاضی صاحب کی شرافت و نجابت سے بہت متأثر ہوئے تھے۔ سینٹ لوئیس میں ڈاکٹر صاحب کا قیام لاہور سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر ٹیپو سلطان صاحب کے مکان پر رہا۔ وہ "الرجی" کے سپیشلسٹ ہیں۔ انہوں نے بھی ڈاکٹر صاحب کے خون کا تفصیلی تجزیہ اور معائنہ کیا اور ایک خاص Allergy بھی detect کی جس کی Vaccine بھی تیار کرکے دی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر و ثواب عطا فرمائے۔

سپرنگ فیلڈ

۳ فروری کو "گریٹر سپرنگ فیلڈ" کی اسلامک سوسائٹی کے زیر اہتمام ڈاکٹر صاحب کا مفصل خطاب ہوا۔ یہ شہر سینٹ لوئیس سے تقریباً سوا سو میل کے فاصلے پر ہے، چنانچہ بذریعہ کار آنا جانا ہوا۔ یہاں جانا اس لئے ضروری تھا کہ اس مقام محترم عطاء الرحمٰن صاحب کے حقیقی بھائیوں کے علاوہ بعض اعزہ بھی قیام پذیر ہیں۔ یہ اگرچہ Working Day تھا جس میں امریکہ میں کسی اجتماع یا فنکشن کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن حاضری بحمد اللہ حیران کن تھی۔ پورا ہال

کھچا کھچ بھر گیا تھا اور صرف محاورہ کے طور پر نہیں بطور واقعہ "تِل دھرنے کو جگہ نہیں رہی تھی!"

ویسٹ ورجینیا

۴ ر تا ۷ فروری کا Week End ویسٹ ورجینیا کے علاقے میں بسر ہوا۔ یہاں ڈاکٹر صاحب کی آمد تو پہلی بار ہو رہی تھی لیکن اس سے قبل تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کے بعض رفقاء یہاں کا ایک دعوتی دورہ کر چکے تھے اور اسی بناء پر وہاں کے احباب کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کی آمد کے لئے شدید خواہش اور پر زور دعوت تھی۔ بلکہ اس مرتبہ کے اخراجات سفر میں سے نصف نیوجرسی کے احباب نے اور بقیہ نصف ویسٹ ورجینیا کے احباب ہی نے برداشت کئے۔

یہ علاقہ پاکستان کے ضلع ہزارہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے اور یہاں پہاڑی سلسلوں کے مابین چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد ہیں۔ جہاں کا ماحول امریکہ کے بڑے شہروں کے شور و شغب اور ہنگاموں سے بہت مختلف اور نہایت پر سکون ہے۔ چنانچہ بلیوفیلڈ شہر جس کے مضافات میں ڈاکٹر ریاض الدین صاحب کے مکان پر ڈاکٹر صاحب کا قیام رہا' اگرچہ خاصا بڑا ہے لیکن اس کا کوئی ایئرپورٹ نہیں ہے۔ اور قریب ترین ہوائی اڈے جو وہاں سے سوسوا سو میل کے فاصلے پر ہیں وہاں بھی صرف چھوٹے جہازوں ہی کی آمدورفت ہے۔ یہاں اگرچہ کوئی زیادہ بڑا اجتماع تو منعقد نہیں ہوا۔ تاہم ڈاکٹر ریاض الدین صاحب کے علاوہ جن کا تعلق حیدر آباد (دکن) سے ہے پاکستان سے تعلق رکھنے والے جن بعض سینئر ڈاکٹر حضرات سے وہاں تعارف ہوا ہے ان کے جوش اور جذبے سے امید ہوتی ہے کہ شاید وہ علاقہ امریکہ میں دعوت قرآنی کا بڑا مرکز بن جائے۔ (وَمَا ذٰلِکَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ)ان میں سے بعض حضرات سے ڈاکٹر صاحب کو خصوصی دلچسپی اس بناء پر ہوئی کہ ان کی عزیز داری چوہدری نیاز علی خاں مرحوم' بانی ادارہ دارالسلام' پٹھان کوٹ' سے ہے۔

یہاں ڈاکٹر صاحب کی آمد کے ساتھ ہی شکاگو سے رفقاء تنظیم کا ایک قافلہ بھی بارہ گھنٹے کا سفر بذریعہ کار کر کے پہنچ گیا جس میں عطاء الرحمٰن صاحب کے علاوہ جناب اورنگ زیب صاحب' جناب غلام سبحانی بلوچ صاحب اور جناب عظمت تنویر صاحب شامل تھے۔ یہاں تین دنوں میں پانچ خطاب ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے:

۱- جمعہ ۵ ر فروری کو بعد نماز جمعہ ورجینیا ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ' بلیکس برگ میں مختصر خطاب ہوا۔

۲- ۵ ر اور ۶ ر فروری کو بعد نماز عشاء ڈاکٹر نعیم قاضی صاحب کے مکان پر تعارف قرآن حکیم اور مطالعہ قرآن کے اصول کے موضوع پر تقاریر ہوئیں۔

۳- ۶ر فروری ہی کو ورجینیا ٹیکنیکل یونیورسٹی ہی کے "مک برج ہال" میں قرآن اور امن عالم کے موضوع پر خطاب ہوا۔

۴- آخری خطاب اتوار ۷ر فروری کی صبح کو بلیو فیلڈ یوتھ سنٹر کے ہال میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کے موضوع پر ہوا۔

یہاں حزب التحریر سے متعلق بعض نوجوانوں سے بھی بہت مفید گفتگو رہی۔ ان میں سے دو عرب نوجوان جوش اور جذبے کے ساتھ سنجیدگی اور متانت ہی نہیں فکر و فہم کی گہرائی کا نہایت حسین امتزاج نظر آئے۔ اور حسن اتفاق سے دونوں ہی کا نام "اسامہ" ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ!

بفلو

۸ر اور ۹ فروری ڈاکٹر صاحب کا قیام بفلو میں رہا۔ وہاں کے میزبان ڈاکٹر سید ساجد حسین تھے جو ۱۹۷۹ء میں ڈاکٹر صاحب کے پہلے سفر امریکہ میں ان کے اولین میزبان رہے تھے۔ اس کے بعد سے ان سے کوئی خاص رابطہ نہیں رہا تھا۔ تاہم پچھلے دنوں اپنی پاکستان آمد پر انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے وعدہ لے لیا تھا کہ اب جب بھی امریکہ آنا ہو ایک دو روز کے لئے ان کے پاس بھی ضرور آئیں گے۔ وہاں ڈاکٹر صاحب کا اصل خیال "آرام" کا تھا۔ اضافی خیال یہ بھی تھا کہ ٹورنٹو کے جو رفقاء ڈیٹرائٹ نہ آسکیں گے ان کے لئے بفلو آکر ملاقات کرنے میں سہولت رہے گی۔ اس لئے کہ وہاں سے ٹورنٹو کا کل فاصلہ ایک سو میل کا ہے۔ ایک اور خواہش یہ بھی تھی کہ مولانا مودودی مرحوم کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد فاروق مودودی سے ملاقات کی تجدید ہوجائے (یادش بخیر' ان سے پہلی ملاقات ۱۹۷۹ء میں مولانا مرحوم کے انتقال کے موقع پر ہوئی تھی' اور پھر ۸۰ء' ۸۱ء اور ۸۲ء میں بھی مسلسل ملاقاتیں رہی تھیں) ---- الحمدللہ کہ ڈاکٹر کی ان تمام خواہشوں کی اللہ تعالیٰ نے بھرپور تکمیل کرادی۔ چنانچہ ٹورنٹو سے نہ صرف رفیق تنظیم چوہدری عبدالغفور صاحب مع اپنی اہلیہ کے (یہ بھی تنظیم کی سرگرم کارکن ہیں) تشریف لائے بلکہ "نَافِلَةً لَکَ" کے طور پر جناب سعید الظفر صاحب بھی ایک نہایت پرجوش سوڈانی مسلم "فنڈا منٹلسٹ" اور Activist کے ہمراہ تشریف لائے جن سے ڈاکٹر صاحب کی مفصل ملاقاتیں اور گفتگوئیں رہیں۔ اسی طرح بحمداللہ کہ ڈاکٹر احمد فاروق بھی دو مرتبہ ڈاکٹر ساجد حسین صاحب کے مکان پر تشریف لائے اور ان سے بھی ڈاکٹر صاحب کی مفصل گفتگو رہی۔ بالکل اضافی طور پر بفلو کے اسلامک سنٹر میں بھی بعد نماز عشاء ایک خطاب عام ہوا۔ یہ بھی چونکہ Working Days تھے لہٰذا حاضری کی کم ہی توقع تھی' لیکن یہاں بھی بالکل سینٹ

لوئیس والی حیرت کا سامنا ہوا۔ ایک کثیر تعداد میں لوگوں نے خاصی طویل تقریر کو پوری توجہ اور ذوق و شوق کے ساتھ سنا۔ یہاں "وادیٔ کشمیر" سے تعلق رکھنے والے سینئر ڈاکٹر حضرات کے ایک گروپ سے ملاقات ہوئی۔ جن میں سے ایک سے تو دیرینہ شناسائی تھی یعنی ڈاکٹر نعیم قاضی سے' جو اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ کے صدر رہے ہیں۔ (انہوں نے ڈاکٹر صاحب کا ذوق بھانپ کر نمکین کشمیری چائے کی سپلائی کا تسلسل برقرار رکھا) باقی حضرات سے یہ پہلی ہی ملاقات ہوئی۔ جو کیا عجب کہ کسی مستقل تعلق کی تمہید بن جائے۔

نیویارک

ڈاکٹر صاحب کے حالیہ سفر کے نتیجے میں سب سے زیادہ پیش رفت نیویارک میں ہوئی۔ اس سفر سے قبل کے تیرہ سالوں کے دوران امریکہ کے "شاہ درہ" ہونے کے ناطے نیویارک میں آتے جاتے کچھ ملاقاتیں اور بھاگتے دوڑتے بعض خطابات بھی ہوجاتے تھے لیکن تنظیم یا انجمن کی کوئی بنیاد وہاں قائم نہیں ہو سکی تھی۔ وہاں قیام ہمیشہ برادرم الطاف احمد صاحب کے مکان پر رہا (یہ تنظیم میں شامل تو ہوگئے تھے لیکن فعال نہیں ہوسکے) اور خطابات اکثر و بیشتر مسلم سنٹر آف نیویارک واقع فلشنگ میں ہوتے رہے۔ ملاقاتوں میں جماعت اسلامی سے بہت قدیمی تعلق رکھنے والے جناب شمیم صدیقی اور ان ہی کے نہایت قریبی دوست اور رفیق کار جناب شمشیر علی بیگ سرفہرست رہے۔

اس بار ڈاکٹر صاحب ابھی نیوجرسی ہی میں مقیم تھے کہ یہ دونوں حضرات مذکورہ بالا مسلم سنٹر کے صدر شیخ نوید انور اور بعض دیگر رفقاء کے ہمراہ (گویا پوری Force کے ساتھ) وہاں تشریف لائے اور نیویارک آنے کی پرزور دعوت کے ساتھ ایک لمبا چوڑا پروگرام بھی پیش کردیا۔ جس پر ڈاکٹر صاحب نے حتمی وعدہ تو نہیں کیا البتہ کوشش کرنے کی حد تک امید دلادی۔ تاہم یہ کسی کے بھی وہم و گمان میں نہیں تھا کہ نیویارک میں اتنے کامیاب پروگرام ہوسکیں گے۔

ڈاکٹر صاحب اپنے صاحبزادے آصف حمید کے ہمراہ ۱۰ر فروری کی رات کو نیوارک ایئرپورٹ پر پہنچے اور رات جرسی سٹی میں ڈاکٹر منظور علی شیخ کے مکان پر قیام کیا۔ اگلا دن اپنی اور عزیزم آصف حمید کی واپسی کی بکنگ وغیرہ کے اہتمام میں گزرا۔ آصف حمید اسی رات عمرہ کے لئے سعودی عرب روانہ ہوگئے۔ ۱۱ر فروری کی رات سے ۱۵ر فروری کی صبح تک ڈاکٹر صاحب کا قیام لانگ آئی لینڈ میں واقع شیخ نوید انور صاحب کے "محل نما مکان" میں رہا۔ جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کو آرام پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہونے دیا۔

۱۲ فروری کو نماز اور خطاب جمعہ "مین ہٹن" میں سٹی ہال کے قریب وارن سٹریٹ کی جامع کی مسجد میں تھا۔ اس روز "لنکنز ڈے" کے موقع پر عام تعطیل تھی اور شدید برف باری ہورہی تھی لیکن اس کے باوجود مسجد کا وسیع ہال حاضرین سے پر ہوچکا تھا۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے "مسلمانوں کا مستقبل اور ہماری ذمہ داری" کے حوالے سے نہایت پراثر خطاب فرمایا۔ اسی رات "فلشنگ" کے مسلم سنٹر میں دو گھنٹے کا مفصل خطاب ہوا۔ جہاں ہال جلد ہی کھچاکھچ بھر گیا جس کے بعد خاصی بڑی تعداد میں لوگوں کو جگہ نہ ملنے کے سبب مایوس لوٹنا پڑا۔ ۱۳ فروری کو مقامی ائمہ مساجد اور دینی رہنماؤں سے ملاقات کا پروگرام طے تھا مگر مسلسل برف باری اور خراب موسم کی وجہ سے حاضری توقع سے کم رہی۔ یہ پروگرام ظہر تک جاری رہا۔ عصر کی نماز "مسجد فاطمہ" Queens میں ادا کی جہاں "حزب التحریر" کی جانب سے ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے "حزب التحریر" کے جناب ابوعاصی ندال صاحب نے اسلامی انقلاب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مغرب کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب نے نہایت وضاحت کے ساتھ سیرت نبویؐ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کا منہج پیش کیا۔ بعدازاں دونوں مقرر حضرات نے حاضرین کے سوالات کے جوابات دیئے اور یوں عشاء کی نماز کے بعد یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

۱۴ فروری صبح ۱۰ بجے "ویسٹ میری لانگ آئی لینڈ اسلامک سنٹر" میں ڈاکٹر صاحب کے خطاب کا عنوان تھا: "جہاد اور اس کے مراحل"۔ کم و بیش دو گھنٹوں پر محیط اس خطاب کو حاضرین نے نہایت سکون اور دلچسپی سے سنا۔ اسی رات یہاں آخری خطاب "اسلامک سنٹر فلشنگ" میں ہوا جہاں اس سے قبل جمعہ کے روز ایک خطاب ہوچکا تھا۔ خطاب کے بعد سوال' جواب کی نشست ہوئی۔ حاضرین کی تعداد برف کے طوفان کے باوجود پہلے سے بھی زیادہ تھی' اور جوش خروش دیدنی تھا۔ رات ڈاکٹر منظور شیخ صاحب کے ہاں قیام کیا جہاں سے اگلے روز علی الصبح نیویارک ایئرپورٹ سے "ہوسٹن" کے لئے روانگی ہوئی۔

ہوسٹن

ڈاکٹر صاحب کے اپنے پروگرام کے مطابق تو چودہ فروری کے لگ بھگ امریکہ سے واپسی طے تھی۔ لیکن بعض اسباب کے باعث امریکہ کا یہ سفر بارہ روز مزید طویل ہوگیا۔

اس کا پہلا سبب ہوسٹن میں مقیم رفیق تنظیم اعجازالحق صاحب کا اصرار تھا کہ خواہ ایک ہی روز کے لئے آنا ہو ہوسٹن ضرور آئیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان پر شرط عائد کردی تھی کہ اگر ڈیٹرائٹ کے اجتماع میں شرکت کریں گے تو غور کروں گا۔ وہ وہاں نہ صرف خود بلکہ ایک اور

دوست میر باسط صاحب کے ساتھ تشریف لے آئے۔ چنانچہ ۱۵ اور ۱۶ فروری کے دو دن ہوسٹن میں صرف ہوئے۔ اور وہاں اس پورے سفر کا سب سے بڑا Surprise سامنے آیا۔ یعنی ۱۵ فروری کو بعد نماز عشاء نارتھ ویسٹ زون کی مسجد سے ملحق ہال میں جو اجتماع ہوا اس میں ایک ہزار کے لگ بھگ خواتین و حضرات شریک ہوئے اور ہال اپنی وسعت کے باوجود تنگ پڑ گیا۔ حالانکہ یہ بھی "کام کا دن" تھا —— اور وہ بھی سوموار! اجتماع کے بعد وہاں کی نمایاں سماجی اور دینی شخصیت ڈاکٹر نثار احمد صاحب نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی کہ "خدارا! اپنے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا درس انگریزی میں بھی ریکارڈ کرا دیں —— اس کے جملہ انتظامات اور اخراجات کی ذمہ داری ہم لیتے ہیں!!"

۱۶ر فروری کو ہوسٹن کے مرکزی اسلامک سنٹر میں صبح گیارہ بجے کے لگ بھگ اجتماع ہوا جس میں ہوسٹن کے مختلف علاقوں کی مساجد کے ائمہ حضرات خصوصیت کے ساتھ تشریف لائے۔ اسی دوپہر کو ساؤتھ زون کی مسجد میں خواتین کے ایک خصوصی اجتماع سے "اسلام میں خواتین کا مقام اور حقوق" کے موضوع پر مختصر خطاب ہوا۔ اور پھر رات کو آخری پروگرام اعجاز الحق صاحب کے مکان پر ہوا جس میں Dinner کے بعد "فرائض دینی" کے موضوع پر اردو میں خطاب ہوا۔ جس کے نتیجے میں فوری طور پر چھ حضرات نے بیعت کر کے تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی۔ جن میں اعجاز الحق صاحب کے چھوٹے بھائی اور میر باسط صاحب کے علاوہ دو نہایت اہم شخصیتیں بھی شامل ہیں، یعنی (۱) نارتھ ویسٹ زون کی مسجد کے خطیب و امام اور سنٹر کے ڈائریکٹر اور (۲) ڈاکٹر بٹ صاحب جو اپنے دینی جذبے اور سماجی سرگرمی کے لئے پورے ہوسٹن میں بہت معروف ہیں۔ اعجاز الحق صاحب کے بڑے بھائی قاضی مظہر الحق صاحب نے جو کئی کتابوں کے مصنف ہیں سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کا وعدہ کیا۔

لاس اینجلس

۱۷ تا ۲۰ فروری لاس اینجلس میں پروگرام تھے جہاں میزبانی کے فرائض جناب محمد علی چوہدری نے سرانجام دیئے۔ ڈاکٹر صاحب ۱۷ فروری کو ایک بج کر سترہ منٹ پر اورنج کاؤنٹی کے "جان وائین" ایئرپورٹ پر اترے۔ شام کو چوہدری صاحب ہی کے مکان پر اورنج کاؤنٹی کی مسجد کے تنازعے کے بارے میں بعض اہم حضرات کے ساتھ تبادلہ خیال ہوا۔ جمعرات ۱۸ فروری کو صبح ۱۱ بجے "وال نٹ" کے اسلامی تعلیمات کے مرکز میں "اسلام میں عورت کا مقام اور اس کی ذمہ داریاں" کے موضوع پر خطاب ہوا جس کے بعد سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ ۱۸ تاریخ کو ہی شام ساڑھے چھ بجے "سان گیبرل ویلی اسلامک سنٹر" میں "امت مسلمہ کا

عروج و زوال اور سابقہ امت کے ساتھ اس کی مشابہت" کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا مفصل خطاب ہوا۔ تین سو کے قریب خواتین و حضرات نے شرکت کی۔ چونکہ پیش نظر گفتگو بڑی خوبصورتی اور وضاحت کے ساتھ سامنے آچکی تھی اور دیر بھی خاصی ہو چکی تھی، نیز موسم بھی اچھا نہیں تھا۔ اس لئے سوال و جواب کی نشست ضروری نہیں سمجھی گئی۔ البتہ "حزب التحریر" کے ایک اہم رہنما نے خصوصی طور پر اجازت لیکر ایک سوال پیش کیا اور وہ یہ تھا کہ "ڈاکٹر صاحب! آپ کو ہم کس طرح مستقل طور پر اپنے ہاں لاسکتے ہیں؟"

جمعہ ۱۹ فروری ڈاکٹر مزمل صدیقی صاحب اور ڈاکٹر مجید صاحب کے ساتھ "گارڈن گرو" مسجد میں بڑی مفصل اور بامقصد گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد خطبہ جمعہ کے دوران نہایت اختصار مگر جامعیت کے ساتھ امت مسلمہ کے اتحاد اور یکجہتی، احیاء دین اور نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد کی ضرورت و اہمیت بیان کی گئی، ڈیڑھ ہزار سے زائد افراد نے یہ خطبہ سنا۔ اسی رات کو "سڈل بیک ویلی" کے اسلامک سنٹر میں پروگرام تھا جو نماز عشاء اور رات کے کھانے کے بعد قریباً ۹ بجے شروع ہوا اور دو گھنٹے جاری رہا۔ اڑھائی سو کے قریب سامعین نے شرکت کی۔ ڈاکٹر صاحب نے جمعرات کی اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے منہج انقلاب نبویؐ کے چھ مراحل کے حوالے سے خطاب فرمایا۔ اس کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ سامعین میں نمایاں تعداد عرب ممالک سے تعلق رکھنے والے مسلمان بھائیوں کی تھی جن میں سے بعض حضرات کم و بیش ستر پچھتر میل کا فاصلہ طے کرکے پروگرام میں تشریف لائے تھے۔

ہفتہ ۲۰ فروری صبح ۹ بجے نوجوان مسلمانوں کے ساتھ ایک خصوصی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا جو سوال و جواب پر مبنی تھی۔ یہ پروگرام ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہا۔ الحمدللہ مستقبل کی نوجوان قیادت کے ساتھ یہ بات چیت نہایت بامقصد رہی اور امید ہے ان شاء اللہ اس سے مفید نتائج بر آمد ہوں گے۔

شکاگو

لاس اینجلس سے ڈاکٹر صاحب ۲۰ فروری کی رات کو شکاگو پہنچے۔ جہاں میزبانی کا "قرعۂ فال" تنظیم کے جواں سال رفیق تنویر عظمت صاحب کے نام نکلا۔ شکاگو میں اتوار ۲۱ر فروری کو دن کے گیارہ بجے "مسلم سوسائٹی آف گلینڈل ہائٹس" کے مرکز میں "امتِ مسلمہ کے موجودہ انتشار کا اصل علاج: قرآن حکیم" کے موضوع پر مفصل خطاب ہوا جس میں کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں نے شرکت کی۔ اسی شام ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کے مکان پر شکاگو کی انجمن خدام القرآن (S.S.Q) کے ذمہ دار رفقاء اور بعض دیگر اہم حضرات کے ساتھ کھانا کھایا

اور گفتگو کی۔

۲۲ر فروری کو صبح تنویر عظمت صاحب کے مکان ہی پر "حزب التحریر" کے بعض اہم کارکن اور قائد حضرات تشریف لائے جن سے مفصل تبادلہ خیال ہوا۔ (انہوں نے عرب ممالک کی اطلاع پر روزہ رکھا ہوا تھا) اسی رات کو گلینڈل ہائٹس کے مرکز میں نماز تراویح میں بھی شرکت ہوئی اور اس کے بعد "منہج انقلاب نبویؐ" کے موضوع پر مفصل خطاب ہوا۔ اور سوال جواب کی نشست بھی منعقد ہوئی۔

دوبارہ ڈیٹرائٹ

ڈیٹرائٹ کے پہلے قیام (۲۹ر تا ۳۱ جنوری) کے دوران ڈاکٹر صاحب کی مصروفیت شدید رہی تھی۔ محترم ڈاکٹر مظفر خان اعوان کی خواہش تھی کہ کسی طرح وقت نکال کر دوبارہ تشریف لائیں تو ڈاکٹر صاحب کے گھٹنے کی تکلیف کے ضمن میں کچھ تشخیص و تجویز کے مراحل طے ہو سکیں۔ چنانچہ ۲۳ر فروری کی شام کو پہلا روزہ شکاگو ایئرپورٹ پر افطار کر کے دوبارہ ڈیٹرائٹ روانگی ہوئی۔ اور اس بار قیام بھی ڈاکٹر اعوان صاحب کے مکان پر رہا۔ ۲۴ر فروری کو گھٹنے کے "MRI" کے صبر آزما مرحلے سے گزر کر' ---- جناب ڈاکٹر انصاری اور رشید لودھی صاحبان سے امریکہ میں تنظیم اسلامی کی تنظیم نو کے ضمن میں مشورے کرنے کے بعد اسی رات کو نیویارک واپسی ہو گئی۔

دوبارہ نیویارک

۲۴ر اور ۲۵ر فروری کی درمیانی شب ڈاکٹر صاحب نے محمد اسرار خاں صاحب کے مکان واقع "پیرین ول" نیو جرسی میں بسر کی۔ یہ نوجوان ڈاکٹر صاحب کے شیدائی اور ان کے کیسٹوں کے حافظ ہونے کے ساتھ ہم نام ہونے اور ان سب پر مستزاد ڈاکٹر صاحب کی جائے پیدائش حصار ہی سے متعلق ہونے کی بناء پر شدید خواہشمند تھے کہ کم از کم ایک رات ڈاکٹر صاحب ضرور ان کے مکان پر بسر کریں۔ ان کے ذوق و شوق کو کئی امتحانات کے مراحل سے گزارنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ان کی خواہش کی تکمیل کر دی۔ دوسرے دن یعنی ۲۵ر فروری ڈاکٹر صاحب ان ہی کے ہمراہ مین ہٹن (Manhattan) میں واقع شیخ نوید انور صاحب کے کاروباری مرکز میں اور شام کو ان کے ساتھ ان کے مکان پر آ گئے جہاں دعوت افطار و طعام کا اہتمام بھی تھا ---- اور ایک "فیصلہ کن گفتگو" کا پروگرام بھی۔ جس کے نتیجے میں بعض حضرات نے تو اسی وقت تنظیم میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔

جمعہ ۲۶ر فروری کو خطاب جمعہ ڈاکٹر صاحب نے میڈ-سن ایونیو کی جامع مسجد میں "روزہ

کی حکمت و اہمیت" کے موضوع پر دیا۔ واضح رہے کہ عین اسی وقت اور وہاں سے بہت قریب ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں بم کا وہ دھماکہ ہوا تھا جس کی خبریں پوری دنیا میں سنی گئیں اور جو امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے اعتبار سے بہت دور رس نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔

نماز جمعہ کے بعد مسجد کے قریب ہی واقع جناب ابراہیم لونت صاحب کے دفتر میں ایک مختصر نشست ہوئی جو رات کی "فیصلہ کن گفتگو" کا تکملہ تھی چنانچہ اس موقع پر شیخ نوید انور اور جناب ابراہیم لونت پانچ حضرات نے مسنون بیعت کے مرحلے سے گزر کر تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ جن میں سے ایک یعنی جناب ممنون احمد مرغوب ڈاکٹر صاحب کے قریبی عزیزوں میں سے ہیں۔ دوسرے عارف ضیاء صاحب ممنون صاحب کے رشتے کے نواسے اور پاکستان کے مشہور و معروف صحافی ضیاء الاسلام انصاری مرحوم کے فرزند ہیں۔ (محمد اسرار خاں اس اجتماع میں شرکت نہیں کرسکے تھے لیکن انہوں نے بھی علیحدہ سے بیعت کر کے تنظیم میں شرکت اختیار کرلی)

یہ امریکہ میں ڈاکٹر صاحب کے اس سفر کا آخری پروگرام تھا جو انگریزی محاورے کے مطابق Last But Not The Least کا مصداق بن گیا۔ اسی رات کو ڈاکٹر صاحب JFK ایئرپورٹ سے پیرس روانہ ہوگئے۔

الحمدللہ ڈاکٹر صاحب کا یہ دورۂ امریکہ توقع سے بڑھ کر مفید رہا لیکن اس کے لئے ڈاکٹر صاحب کو جس قدر مشقت اٹھانا پڑی اس کا اندازہ انہی احباب کو ہو سکتا تھا جو مختلف مواقع پر ان کے شریک سفر رہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو کام لینے کے لئے خصوصی ہمت عطا کردیتا ہے۔ مختلف مقامات پر ڈاکٹر صاحب کے خطاب کے موقع پر تنظیم اسلامی سے متعلق کتب کے سٹال لگائے جاتے رہے اور پروگرام میں شرکت کرنے والے حضرات سے آئندہ رابطے کے لئے پتے وغیرہ نوٹ کئے گئے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے خطابات کے آڈیو - ویڈیو کیسٹ تیار کرائے گئے۔ اس مرتبہ ڈاکٹر صاحب کے پروگراموں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ کم و بیش تمام خطابات انگریزی میں تھے جس سے ہمارا انقلابی فکر بڑے وسیع حلقے میں پہنچا۔ اس سے ان شاء اللہ دیگر ممالک میں احیاء اسلام کے لئے کام کرنے والی تحریکوں کے ساتھ رابطے میں آسانی ہوگی اور باہمی تعاون کی نئی راہیں کھلیں گی۔

امیر تنظیم اسلامی کے حالیہ دورہ امریکہ کے دوران انیس نئے حضرات نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی جبکہ سابق "ٹینا" سے تعلق رکھنے والے اکیس رفقاء نے تجدید بیعت کی۔ بہت سے حضرات جو اس دوران ملے نہیں کر پائے یا بعض مصروفیات کے باعث ڈاکٹر صاحب کے پروگراموں میں شرکت سے قاصر رہے۔ ان شاء اللہ بہت جلد دوبارہ فعال ہوجائیں گے اور

افکار و آراء

مولانا مدنیؒ اور مسئلہ قومیت

محترم مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی صاحب نے اپنے زیر نظر مکتوب میں جس مسئلے پر قلم اٹھایا ہے' اسی موضوع پر جناب قاضی زاہد الحسینی صاحب کا ایک مفصل مقالہ بھی ہمیں موصول ہوا ہے۔ وہ مقالہ ان شاء اللہ اگلے ماہ "میثاق" میں شائع کیا جائے گا اور ساتھ ہی امیر تنظیم کی جانب سے ضروری وضاحت بھی شاملِ اشاعت کردی جائے گی۔ (ادارہ)

گرامی قدر جناب مدیر محترم ماہنامہ میثاق لاہور
السلام علیکم و رحمتہ اللہ

احقر کے متعلق آپ کو اور آپ کے حلقہ کے احباب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کی ناچیز ذات مکرمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی صلاحیتوں' خدمات اور محبت بھرے رویوں کی بے حد معترف اور قدردان ہے۔ مجھے سال بھر ان کی سرپرستی میں ان کے ادارہ میں تدریس کی خدمت کا موقع ملا۔ جب انہوں نے مجھ سے اس کام کی فرمائش کی یا بالفاظ صحیح حکم دیا تو میں نے عرض کیا تھا کہ ہزار لبرل ہونے کے باوجود میری حنفیت اور دیوبندیت ایک واضح حقیقت ہے اور میرا تدریسی دائرہ ایسا ہی ہوگا تو انہوں نے بڑی محبت سے فرمایا کہ دیانت دارانہ انداز سے تدریس پر کوئی قدغن نہ ہوگی' نہ اس کا سوال ہے۔ احقر اپنی کوتاہی علم و عمل کے سبب اس تعلق کو قائم نہ رکھ سکا لیکن اپنی نیازمندی پر حرف نہیں آنے دیا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آں محترم علامہ اقبال مرحوم سے غایت درجہ عقیدت و تعلق خاطر رکھتے ہیں اور بانی پاکستان کی "سیاسی بصیرت" اور "خدمات ملی" کے بھی بے حد معترف ہیں' اس کے ساتھ ہی وہ مولانا حسین احمد مدنی' مولانا ابوالکلام آزاد اور ایسے ہی اساطین ملت کی دل سے قدر کرتے ہیں لیکن کبھی کبھار ایسا ہوجاتا ہے کہ کوئی جملہ یا تحریر ایسی سامنے آجاتی ہے جو ہم جیسے نیاز مندوں کے لئے تکلیف کا سبب بنتی ہے جس کی ایک مثال میثاق کے شمارہ دسمبر 1992ء کے ص 28 کا وہ حصہ ہے جس میں موصوف نے مولانا مدنی اور علامہ اقبال کی اس بحث کا تذکرہ کیا ہے جو مسئلہ قومیت سے متعلق تھی۔ موصوف نے علامہ کی "وسعتِ قلبی اور عالی ظرفی" کا ذکر کیا تو صحیح ہی کیا' اے کاش کہ علامہ کے عقیدت مند بھی اس کا لحاظ کرتے اور مولانا مدنی سے متعلق کہے گئے اشعار کو ان کے کلام میں شامل نہ کرتے اور آئے دن ان اشعار کی آڑ میں مولانا اور

ان کے قافلے کے اسباب پر چھینٹے نہ برساتے ---- اگر ان اشعار کا کلامِ اقبال میں شامل کرنا کلام کو محفوظ کرنے کی غرض سے ضروری تھا تو پھر جناب محمد علی جناح سے متعلق کہے گئے اشعار بھی کسی کونے کھدرے میں شائع ہوجاتے۔ لیکن خیر اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ مولانا مدنی نے اپنی تحریر میں فرمایا کہ "قومیں وطن سے بنتی ہیں، محض خبریہ تھا، انشائیہ نہ تھا" اس کو ڈاکٹر صاحب قبلہ ایک مہمل بات قرار دیتے ہیں۔ وہ ایک ہی سانس میں مولانا مدنی کی جلالت قدر، تقویٰ، تدین اور مجاہدانہ سیرت و کردار کا اعتراف بھی فرماتے ہیں اور مولانا کی اس بات کو مہمل بھی قرار دیتے ہیں کیونکہ بقول ڈاکٹر صاحب مولانا مدنی ایک سیاسی و مذہبی قائد تھے اور اس اعتبار سے ان کی ہر بات میں انشا کا رنگ فطری بات ہے۔

تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب جیسا خادم قرآن یہ بات کیسے کہہ رہا ہے جب مولانا خود اپنی بات کو "خبر" فرمارہے ہیں تو ان کی وفات کے 35 برس بعد ان کے سینہ کو چیر کر اندر کی بات کیسے معلوم ہوگئی، حالانکہ اندر کے بھید تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنی تعلیمی زندگی کے ابتدائی دور میں مسلم لیگی اکابر کے فلسفہ سے بہت متاثر رہے اور اقبال و جناح کے معاملہ میں کم از کم اب بھی ان کے تصورات کی دنیا بڑی بلند ہے حالانکہ یہ حضرات بھی بہرحال انسان تھے، بعض کے بقول شیطان نہ تھے تو بعض کے بقول فرشتے بھی نہ تھے ---- واقعات و حقائق کی دنیا میں آج 45 برس بعد بہت کچھ کہنا ممکن ہے لیکن میں تلخی کی بات کرکے اپنے کسی محسن و عزیز کا دل نہیں دکھانا چاہتا، ویسے بھی میرا علمی، روحانی اور سیاسی شجرۂ نسب مولانا مدنی، ابوالکلام اور عطاء اللہ شاہ بخاری (رحمہم اللہ تعالیٰ) جیسے اکابر سے وابستہ ہے جنہوں نے پاکستان کو ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کرکے اس کی بہتری چاہی گوکہ ادھر سے کسی قسم کے اسلامی سیرت و کردار کا مظاہرہ نہ ہوا۔ ہرچند کہ محترم ڈاکٹر صاحب کے نزدیک مختلف چیزوں کی صحیح پہچان کی صلاحیت اس دور میں اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبال کو بخشی تھی لیکن علامہ کی نثری تحریروں اور اشعار میں بلاشبہ سینکڑوں مقام ایسے ہوں گے جہاں یہ دعویٰ مجروح ہوتا نظر آئے گا ---- موصوف نے اپنی اس تحریر میں ص 29 پر بانی پاکستان کی 11 اگست 1947ء والی تقریر کے بعض حصوں کی جو اپنے طور پر وضاحت کرنے کی کوشش فرمائی وہ ایک "حسنِ ظن" تو ہوسکتا ہے امرِ واقعہ نہیں۔ بانی پاکستان کے سامنے اگر واقعی ایک مثالی اسلامی مملکت ہوتی تو چودھری ظفراللہ، منڈل، گرسی اور ایسے ہی کتنے باغیان دین حق کو وہ اس ملت کے سرپر بدست خود مسلط کرکے نہ جاتے اور 1940ء کی قرارداد کے بعد جلسے جلوسوں کے ہنگاموں سے بچ کر بعض رفقاء کو دستور کی تدوین پر لگادیتے تاکہ حصول منزل کے بعد تاخیر نہ ہوتی ---- وہ تاخیر جس نے یہاں فوجی جنتا کا راستہ ہموار کیا جس نے بیوروکریٹس کو کھل کھیلنے کا موقعہ دیا اور جس

نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا راستہ ہموار کیا اور سب سے بڑھ کر یہاں بے دینی، الحاد اور زندقہ کا راستہ ہموار کیا اور دینی اقدار کی راہ کھوٹی کی۔ مولانا مدنی اور ان کے رفقاء مظلوم تھے۔ ان کے یہاں لاکھوں عقیدت مند ہیں، ان کی دلجوئی کا سامان خادمان قرآن، پر لازم ہے --- اقبال و جناح کے لئے تو دستوری و آئینی طور پر تحفظات موجود ہیں --- ایسا نہ ہوتا تو شاید صنم ہری ہری کرتا، بہرحال جن کے لئے ایسے تحفظات نہیں، ان کے معاملہ میں کم از کم اہل دین تو انصاف سے کام لیں۔ کوئی گستاخی کا جملہ ہو تو معذرت چاہوں گا۔

عقیدت کیش
محمد سعید الرحمٰن علوی

بقیہ : رپورتاژ

اس جدوجہد کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنیں گے۔ خیال یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ان شاء اللہ تین ماہ بعد دوبارہ امریکہ تشریف لائیں تو ایک نیا تنظیمی ڈھانچہ تشکیل پا جائے گا۔ اور ہمارا قافلہ ع
"ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا" کا مصداق بن جائے گا۔

ہم ان تمام اداروں اور اشخاص کے شکرگزار ہیں جنہوں نے ان پروگراموں میں حصہ لے کر ہمارے ساتھ تعاون کیا اور ان بہت سے حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کو اپنے ہاں مدعو کیا مگر وقت کی کمی کے سبب ان کی دعوت کو قبول کرنا ممکن نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان حقیر سی کوششوں کو قبول فرمائے اور انہیں امت مسلمہ اور نوع انسانی کے لئے باعث خیر و برکت بنائے۔ (آمین)

سیکولرازم کی ایک اور فتح۔ دینی و مذہبی رہنماؤں کے لیے لمحہ فکریہ

اسمبلی میں مستورات کی نشستوں کی بحالی پر ہر مومنہ جو نہیں سیکولرازم کے پاؤں تلے روندے جانے والا کائنات کا ہر ذرہ قرآن کریم کی ان آیات پر آپکی رہنمائی کا طالب ہے۔

"اپنے گھروں میں ٹکی رہو......" سورۃ الاحزاب آیت ۳۳

"..... اپنی زینت کے مواقع یعنی چہرہ نہ ظاہر کریں (نہ کھولیں)، مگر سوائے اپنے خاوندوں کے، یا باپوں کے، یا.....

۲۴ "محرم" رشتے گنے گئے....." سورۃ النور آیت ۳۱ باپ اور بھائی کے سامنے چہرہ ہی تو کھولا جاتا ہے!!!

میجر منہاس تحریک فہم القرآن، مکان نمبر ۲۴، گلی ۴، ایف سکس تھری، اسلام آباد

فون ۲۱۳۳۱۶
۲۱۳۴۰۶
فیکس ۲۱۳۲۶۰

تحریک فہم القرآن نہ ہی الیکشن کی سیاست میں ملوث ہوگی نہ ہی منفعت حاصل کرے گی نہ ہی منصب قبول کرے گی۔

بقیہ: الہدیٰ

کی بڑی بن سکیں۔ اسی تطہیر کے عمل سے معلوم ہو گا کہ کون کتنے پانی میں ہے' کون واقعتاً اللہ کو ماننے والا اور آخرت کا یقین رکھنے والا ہے' کون واقعتاً اللہ اور اس کے رسول کو ہر معاملے میں مقدم رکھنے والا ہے' کون ہے جو اس ترازو پر پورا تل رہا ہے جو سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ کے حوالے سے آئی تھی کہ اے نبی! لوگوں سے کہہ دیجئے' اگر تمہیں اپنے باپ اور اپنے بھائی اور اپنے بیٹے اور اپنی بیویاں اور اپنے رشتے دار اور اپنے وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور اپنے وہ کاروبار جو بڑی محنت سے جمائے ہیں اور جن میں اب مندے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور اپنے وہ مکان جو تمہیں بہت محبوب ہیں' اگر یہ سب محبوب تر ہیں اللہ سے اور اللہ کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد سے تو جاؤ' انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ چھانٹی' یہ تمیز اور یہ تطہیر کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے' یہی اصل غرض و غایت ہے ان ابتلاؤں اور آزمائشوں کی ورنہ اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے' اس کے اِذن کے بغیر ایک پتا تک جنبش نہیں کرتا' ابوجہل کی کیا مجال کہ وہ آلِ یاسرؓ کو ستاسکے! امیّہ ابن خلف کی کیا جرأت کہ وہ اللہ کے ایک سچے پرستار ایک مؤحّد بندے بلالؓ کو اس طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کرسکے!! --- یہ جو کچھ ہوا اذنِ رب سے ہوا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اللہ ان کٹھالیوں میں سے گزار کر تمہیں زرِ خالص بنانا چاہتا ہے۔ تمہاری تربیت' تمہاری پختگی' تمہارے ایمان کا ثبوت' تمہارے اندر عزم اور ہمت اور ولولے کو اوجِ کمال تک پہنچانا یہ وہ غرض اور مقصد ہے جس کے تحت یہ مصیبتیں' ایذائیں' تکالیف' ابتلائیں اور آزمائشیں اہلِ ایمان کو درپیش ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ راہ حق میں استقامت عطا فرمائے (آمین) **وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین!**

ضرورت رشتہ

دینی تعلیم یافتہ' دینی مزاج کی حامل' پردہ کی پابند بچی کے لئے' ترجیحاً تنظیم اسلامی سے وابستہ گھرانے سے' موزوں رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: معرفت ابوطٰہٰ' قرآن اکیڈمی' K ر 36 ماڈل ٹاؤن' لاہور

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

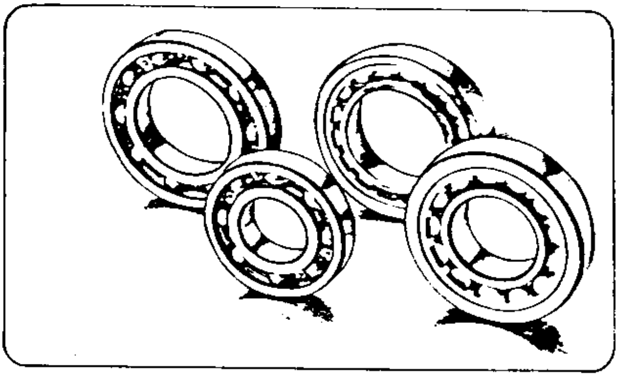

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE :
(Opening Shortly)
Amin Arcade 42,
Brandreth Road, Lahore-54000
Ph : 54169

GUJRANWALA :
1-Haider Shopping Centre, Circular Road,
Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE
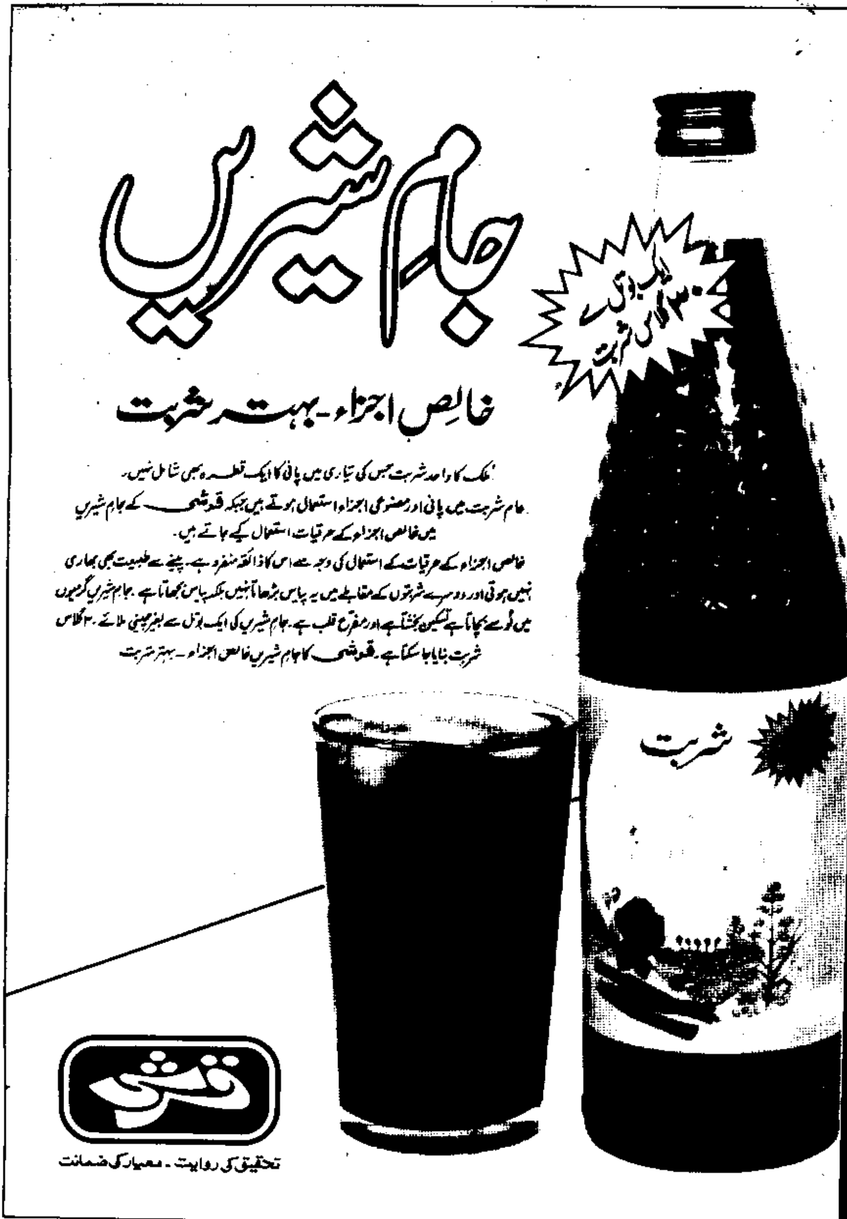
REGD NO. L 7360
VOL. 42 NO. 4
April 1993